AL-AMEEN COLLEGE (FOR GIRLS) KOLKATA-14
914
LIBRARY
ESTD. 1992

MILLI L-A A E
COLLEGE
914
C8-4.

کیسے کاٹوں رین اندھیری

واجدہ تبسم

واجدہ تبسّم

کیسے کاٹوں رین اندھیری

MILLI -L-A..EEN
COLLEGE
914
CB-4

(جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں)

بار اوّل : فروری ۱۹۷۶ء

تعداد : ۱۰۰۰

قیمت : دس روپے

مطبوعہ :- اعلیٰ پریس بلیماران

ناشر

بیسویں صدی پبلکشنز دریا گنج نئی دہلی ۔ 2

آج قدیر میاں کی شادی تھی ـــــ

سامنے ہی سیجے سجائے برآمدے میں زیتون پڑی سان سالی سو رہی تھی ـــــ امّاں بی نے جو لپکتی ہوئی، بجھری دالی کو تھری کو جا رہی تھیں۔ اس کی کمر میں ایک لات رسید کی ـــــ

"اری چھنال تیری نیند کو کوئی وقت ہے ـــ؟ یہاں کھاٹ دیکھی بس دہیں جننے کو بیٹھی ـــ میں کہوں میراثنوں کو کھانا دلوا دیا ـــ"؟

صحن کے پرلی طرف سے میراثنوں کی دھیمی پھر تیز آواز اونچی ہوئی ؎

ہریالا بنا مورا بنڑی بیاہ ہے

صحن میں شطرنجیوں پر سفید چادریں بچھائی گئی تھیں جو بچوں، عورتوں اور نوکروں کے آنے جانے روندنے سے میلی ہو گئی تھیں۔ بچے اودھم مچا رہے تھے اور ادھر عورتوں، لڑکیوں کے کمروں میں دھما دھم مچی ہوئی تھی ـــــ دس دس بارہ بارہ برس کے چھوکرے جن سے کوئی پردہ کرتا تھا۔ گھر سے اندر، اندر سے

باہر یکساں پھیرے کر رہے تھے۔

"اجی اماں ۔۔ بادا کہتے ہیں پہلے میری اچکن نکال دو ۔۔ تمہارا انتظار تو وقت لے لے گا۔"

"اماں اماں سنو تو ۔۔۔ ابا جی کے موزے کون سے صندوق میں ہیں"؟

"امی جان ۔۔ ابا جان کہہ رہے ہیں جلدی سے وہ لکھنوی اچکن نکال دو اور اس کے ساتھ والی ٹوپی بھی بھیجو۔"

"ارے خدایا۔ تو دم تو لو ذرا ۔۔۔ کیا بھاگی جا رہی ہوں!

دوئی سوا تماشہ ہو گیا ہے یہ تو۔" امی جان نے جواب دیا۔

"وہ دئی میاں ۔۔ سامنے ہی تو صندوق کھلا ہے ۔۔ دیدے کھول کر دیکھو ذرا آپ ہی دکھ جائیں گے موزے جوتے۔"

"اے لو اور سنو ۔۔ میرا سنگار وقت لے لے گا،" اور تم جو صبح سے اپنی داڑھی مونچھ کے پیچھے پڑے ہوتے ہو"؟

نصیبن طشتری میں ابٹن لئے بھاگی حمام کو ۔۔۔ گندی بی بی نے راستے میں جا لیا۔

"اری ۔ اتنی ساری لڑکیاں ہیں اور تو ہے کہ اتنی سی طشتری اٹھائے بھاگ رہی ہے ۔۔۔ چل جا سینی میں ابٹن لے آ"

نصیبن نے دیکھا تو سچ مچ جیسے حمام پر جھوڑ ہو رہی تھی مانجے کے پہلے جوڑے ابھی تک سبھی لڑکیاں بابیوں کے جسموں پر تھے ۔۔ یہی دھوم مچی تھی چار دن پہلے سے ۔ دولہا میاں کو بیچوں بیچ چوکی پر بٹھایا گیا۔ ادھر ادھر

سے چار بہنیں سر پر چھت گیری پکڑے کھڑی ہو گئیں ــــ پانچ سہاگنوں نے مل کر پیلے تو سر پر دودھ چھوایا ــــ پھر تھوڑی کو صندل لگا کر ابٹن ملنا شروع کیا ــــ بس لڑکیاں اسی تاک میں تھیں، ادھر ابٹن بی تھالی کو ہاتھ لگایا اور ادھر دھوم مچ گئی ــــ کسی کی ناک، کسی کا منہ، کسی کے ہاتھ تو کسی کے پاؤں ــــ لڑکے لڑکیاں، بیاہے اکنوارے بس آپس میں گتھ گئے ــــ ابٹن ہلدی، مہندی صندل، جو جس کے ہاتھ پڑا بس ایک دوسرے کے منہ پر ملا جانے لگا۔

خورشید بیگم نے حد کر دی ــــ اتنا سارا صندل لے کے اماں بی کے منہ پر مل دیا۔ ساروں میں ہنسی کی دھوم ہو گئی ــــ

"اری بے شرم میں کیوں مجھے بنانے میں کون مزہ ہے؟"

"اے واہ ــ مزہ نہیں تو اور کیا ــــ اب ذرا ماموں جان دیکھ لیں کھڑے قد سے عاشق ہو جائیں گے ــــ بھلا دیکھو تو سہی پیلی پیلی ہلدی، صندل سے منہ کیسے نکھر آیا ہے؟"

اماں بی اور خورشید بیگم کا رشتہ تو ممانی بھانجی کا لگتا تھا مگر عمروں میں زیادہ فرق نہ تھا اور خورشید بیگم تھیں منہ چڑھی اور دل لگی باز ــــ اماں بی چمک کر بولیں ــــ

"ہاں ہاں ــــ اب یہی تو عاشق ہونے کے دن ہیں ــــ اپنی نہیں سناتی پوتے نواسے سامنے کھیلتے ہیں اور صبح ہوتی نہیں کہ چلی غسل خانے کو۔"

خورشید بیگم دوہری ہو گئیں ــــ وہ ہنسی سے منہ تپ ہی رہا تھا۔ لاج کی لالی بھی بکھر گئی ــــ بات نبھانے کو بولیں ــــ

"اور نہاتا تمہارے جیسے گندے حالوں نہیں پھرتی ـــ روز نہانا صحت کیلئے فائدہ مند ہے" !

"روز نہانا فائدہ مند ہے کہ . . . . . .

انھوں نے جھٹ سے اماں بی کا منہ دبا دیا ـــــ

"کچھ تو لحاظ ہو ـــ کوئی حد ہے" ؟

"تو نے آپ ہی کیچڑ میں پتھر پھینک کر چھینٹے اڑائے ہیں تو خاموش تھی"

لڑکیوں کی پوری منگت کی گت بن گئی تھی ـــ کئی ایک ایسی ہی تھیں کہ جن کی منگنیاں لگی ہوئی تھیں ـــ ان کے منگیتروں نے کبھی ان کا دوپٹہ بھی اڑتے نہ دیکھا تھا ۔ منہ کی جھلک تو دور رہی ۔ اب مجھو رہی تھی کہ گالوں پر گلاب کھل رہے تھے ۔ ایسے جھوٹے پکڑے کر دیے کہ نئی نئی چوڑیاں تک کچا گئیں ـــ تب میاں نے بڑوں کی نظریں بچائیں اور جھٹ سے لڑکیوں کے جھتے میں گھس گئے ۔ حسینہ پیلے پیلے کپڑوں میں ملبوس ۔ ہری ہری چوڑیاں، ہاتھوں میں مہندی اور چاندی کے چھلے ـــ انھوں نے ادھر ادھر دیکھا اور جھٹ سے اسے نہلا دیا ـــ پیچھے سے دونوں بازو ایسے پکڑے کہ وہ ان کے گلے آپڑی ـــ دیکھتی ہے تو کتو میاں گرم گرم سانسیں چھوڑ رہے ہیں کسما کر بولی ۔

"ہٹئے بھی ـــ بڑے بے شرم ہیں"

"ارے ابٹن ملتے ہیں بھئی ۔ بے شرم کاہے سے ہونے لگے" ؟

"ہمیں نہیں لگتا ایسا ابٹن صندل"

ALL-H-R-AD
University Lib
ASSTT. LIBRARIAN

"اچھا اچھا ابھی بجھ لیں گے جی "

لڑکے لڑکیاں ایسے رل مل گئے تھے جیسے کھچڑی پکانے میں مسور کی دال چاول ـــ

انہوں نے کان کے قریب منہ لا کر بانہہ دبا کر کہا ـ" ہنگام کے بعد دیکھ لینا بچو ـ"

ہنگام کے بعد ان کی شادی پڑی تھی ـــ

عابد میاں ـــ موم کی ناک کہ لڑکیوں سے خوب شرمائیں، سعیدہ کو کسی البیلی نے ٹوک دیا ـ

"اری جا ـ ذرا خبر تو لے آستیان کی "

یہ دھپ سے ان کے پاس جا پڑی ـــ پیلا جوڑا ان کے بھی بدن کو سجائے ہوئے تھا، رنگت ایسی کہ شہاب اور سعیدہ شرمائیں ـ وہ پیلا پیلا جوڑا ـ لال لال ہاتھ، ہلکا پھلکا زیور ـــ کہ کیسی شرم اور کیسا لحاظ ـــــ عابد میاں نے خوب خوب ان کے ابٹن لے دیا ـــ سانسوں، سانس ـ سہمی گھبرائی، جھینپی جھینپی، جھٹ سے سہیلیوں کے جھرمٹ میں آن ملی ـ

رضو سے چپکا نہ رہا گیا ـــ ہنس کر بولی ــ

اکھیاں بولیں من کی بات

گجرا اچھلکا

آنچل ڈھلکا

سانسیں بولیں من کی بات ـ

سعیدہ نے گھبرا کر دیکھا ۔ گوری ماں نے جھٹ کہدیا ۔
" اب تو ہوگئی نا بالم سے ملاقات —— کیا دیا کیا لیا —؟ "
اس " کیا دیا اور کیا لیا " —— پر پوری بیٹھک ہنسی سے دہری ہو ہوگئی اور سعیدہ کٹ کٹ مری ۔

" اچھا یہ بات ہے " سعیدہ کے بھائی سے گوری ماں کی بات بچی تھی ۔ وہ جھٹ سے اپنی بھابی کو ستانے ، بھائی کا ہاتھ پکڑ کر لائی ۔

" لو بھائی میاں —— چودھویں کا چاند جھم جھما رہا ہے —— اب بھر لو اسے اپنے دل میں —— "

گوری ماں کی آنکھیں اٹھیں ، اور جھکیں تو بس جھکی ہی رہ گئیں —— ایک جھپک میں اس نے دیکھ لیا تھا —— بیلی جامدانی کی اچکن —— چوڑی دار پاجامے اور زری کے اونچے سے دانے میں ، وہ تو کوئی سجیلا شہزادہ سا معلوم ہو رہا تھا ۔ بدن کا سارا بوجھ جیسے دو پیروں میں سمٹ کر رہ گیا ۔

سعیدہ نے اسے دھکا دیا ——

" اب جاتی کیوں نہیں سیّاں کے پاس —؟ "

انیس میاں لڑکیوں کے پورے غول کو بے تاب نگاہوں سے گھور سے جا رہے تھے —— مسکراتے مسکراتے بولے ۔

" ارے بھئی —— انہیں تو ڈھول ملتے اور زیور کپڑے کی چاہت ہو گی ۔ بھلا کیا خالی ہاتھ ہی آ جانے والی ہیں وہ —؟ "

گوری ماں کا جی چاہا —— جھٹ سے قدموں میں جا پڑے ——

"ایسے شہزادوں کے شہزادے پر سے تو ساری دولت ساری دنیا نچھاور ہے۔۔۔ میں تو یونہی چلی آؤں گی۔۔۔" اس نے نظریں اٹھا کر سعیدہ کو بے بسی سے دیکھا جس نے۔۔۔ بے حیائی سے اُسے للکارا کیا تھا۔ سعیدہ پٹ سے بولی۔

اکھیاں بولیں من کی بات!

گوری ماں نے جھٹ سے ٹھپے ٹکے دوپٹے کی اوٹ میں اپنا منہ کر لیا اور ادھر نیں میاں دم چھوڑ بیٹھے۔۔۔

اُدھر شادی شدہ جوڑے تھے کہ ہلڑ مچاتے ہیں کنواروں کو بھی مات دے دی۔۔۔ ننگے ننگے مذاق۔۔۔ بیہودہ فقرے۔ ساری لعنتیں ان کے پاس جمع ہو گئی تھیں۔ بار بار اماں بی کو کہنا پڑتا۔۔۔

"ارے کمبختو۔۔۔ چھوکرے چھوکریوں کا تو خیال کرو کچھ۔۔۔" وہاں کون کس کا خیال کرنے چلا تھا۔۔۔

"پانچ بجے سے گاڑیاں لگ جائیں گی" مردانے صحن کی طرف سے کوئی پردے کے قریب آ کر چلا کر بولا۔۔۔ اور پورے زنانے میں ہڑبونگ مچ گئی۔۔۔

"ارے سنتے ہو کتنا وقت ہو گیا ہے۔۔۔" دو تین گھنٹے ہی تو باقی رہ گئے ہیں۔۔۔"

"ہائے اللہ اتنی جلدی کیسے تیاری ہو گی، ہم نے تو ابھی منہ بھی نہیں دھویا ہے۔۔۔"

"میں نے تو بال ابھی نہیں گوندھے۔۔۔ کمبخت اتنے لانبے لانبے گھنے ہیں کہ دو گھنٹے تو اسی میں۔۔۔۔ ٹوٹ جائیں گے۔"

"ہائے جی — میرے کھوڑے دوپٹے میں کرن پوری ٹکی بھی نہیں ہے۔ میں کیا اوڑھوں گی —"؟

مغلانی بی کا، ناک کی ڈنڈی میں دم تھا۔ کپڑوں کا ڈھیر ان کے آرزو بازو لگا ہوا تھا —

"یہ دیکھنا میری کرتی پر باکڑی لگانا ہے۔"

"اجی تم نے صبح سے کیا ہی کیا ہے؟ کرتے کے ساتھ کا یہ الگا دوپٹہ ہے۔ ٹیکیاں نہ ہوئی تو کیا بے ڈھب لگے گا کرنکھا ہائے یا جلسے پر سادہ الگا اوڑھ لیا ہے؟"

"یہ الماس اور یہ پوریہ آمنے سامنے لگانا ہے بی — تم نے سانپ گنا تھا اجی — پھر اتنی سستی کاہے کی ہے — جلدی کرو، جلدی۔"

حویلی میں بڑے سرکار کی اجازت سے کبھی کبھار مداری بھی آجاتا تھا۔ اس کے ساتھ کے سانپ بہ لمبے لمبے مرتے۔ دانت وہ پہلے ہی نکال لاتا۔ ماکرین کا ہاتھ توسلائی میں بڑا تیز چلتا تھا کہ کچھ گزی کھوڑے دوپٹے پر دیکھتے دیکھتے چھپا لگا جاتی پلک تک نہ جھپکتی — امی نے یہ بات بتائی تھی کہ میں نے اپنی بالشت سے گنا تھا۔ جی سے یہ کھیری میرے ہاتھوں لگی۔"

اب جب کبھی مداری آتا کھیل تماشہ تو رہا ایک طرف۔ بڈھے کا ناک میں دم آجاتا —

"بڑے میاں ذرا سانپ چھوڑنا۔ ہم اسے گنیں گے۔"

"اجی حضرت — تماشہ بعد پر دکھانا — پہلے سانپ ادھر دو۔"

بی بی کام ٹھہرا کر ابھی گردیدہ لگائیں کہ چولی کی آستین میں ٹھپہ

ٹوکھرو لگاتے لگاتے، ادھر کا دن اُدھر ڈھل جاتا ـــ مگر صنا بی اس غضب کی ہوتی کہ بڑے وبدوں والے بھی دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے نہ ٹانکے کا نام ونشان تک دکھائی نہ دیتا۔

حویلی میں سیون پردوں بھی تو غضب کی ہوتی ۔ جب دیکھو تب مغلانی بی ہیں کہ بیٹھی ہیں ۔ سامنے لال پیلے ، نیلے ہرے کپڑوں کا ڈھیر لگا ہے اور انگلیاں چل رہی ہیں ۔

آرزو بارنو تھپیاں لگائی جاتیں ۔

" یہ گوری ماں کا کرتا ہے "

" یہ بڑی بی بی کی چولی ہے "

" یہ اماں بی کا کمرا دوپٹہ ہے "

" یہ چنوّں ماں کا گھیر دار کرتا ہے "

" رقوماں کی آڑی اوڑھنی ہے "

اماں بی نے ، ایک بار جب مداری آیا تو ان سے کہا ـــ ہزاروں باجو کریا بابیاں صاحب کون گن گئی ہیں ـــ تم بھی گن لونا ـــ کیا پتہ سچ مچ ہی باتھ پھرتی بھرا ہو جائے ۔

اس دن مداری کا تماشہ تو گیا چولہے بھاڑ میں ـــ مغلانی بی کا اپنا تماشہ ہو گیا ـــ اب لاکھ لاکھ مداری کہتا ہے ـــ

" ارے بی اس کے زہریلے دانت میں نے آگے ہی اکھاڑ لئے ہیں ۔ مگر وہ ہیں کہ کے نیچے جا رہی ہیں ـــ مداری تھا ، زندہ دل ـــ اس نے مغلانی بی کو ٹھہر کئے

دیکھا تو زور زور سے ڈگڈگی بجادی اور بولنے لگا ۔۔۔

"ناچے بندریا ۔۔۔ ناچے بندریا"

مغلانی بی تن تنا گئیں اور لگے ہاتھوں سانپ گن ہی ڈالا۔ مغلانی بی کا ہاتھ تو تیزی سے چل رہا تھا، کیڑے ہی ڈھیروں تھے کہ ختم ہونے میں نہ آرہے تھے۔

"ہیبو ۔۔۔ تم اپنے منہ ہاتھ دھوؤ ۔۔۔ سب چار بجے مجھ سے اپنی اپنی پہناون لے کر چیل جانا ۔۔۔"

عود مصالحوں اور ابٹنوں کی خوشبو پورے گھر میں پھیل گئی۔ لڑکیوں کی ساری شرم ایسے موقعوں پر ہوا ہو جاتی تھی۔ یا تو یہ حال کہ کسی نے کسی کے سامنے دوپٹے کا پلو تک نہ ڈھلکایا اور اب یہ ہوا کہ ایک ساری حمام میں کھلی ڈلی بس اٹھا گھس بیٹھی ہیں۔ گوری ماں بال دھو رہی ہیں تو ستو بھی منہ دھو رہی ہیں۔ رنو گردن مل رہی ہے تو جمیلو بازو ملے جاتی ہے ۔۔۔ کوئی ہاتھ گھس رہی ہے تو کسی نے جانوں لے کر بیر کھرچ ڈالے ۔۔۔

مذاق بھی ہو رہے ہیں ۔۔۔ چھیڑ چھاڑ بھی جاری ہے ۔۔۔

۔ قسم اللہ کی گوری ماں ۔۔۔ تمہاری پیٹھ ایسی چمک رہی ہے کہ بس منہ دیکھ لو۔

میں تو بس سوچتی ہوں ۔۔۔ ہاں بی تمہارا اللہ ہی حافظ ہے "

"ستو ۔۔۔ پیگلٹ کدھر گئی "

زبیدہ بیگم تھیں کہ گورے گورے ہاتھ ابٹن سے رگڑتی بیٹھی تھیں ۔۔۔

"بھئی یہ ہاتھوں کی شامت کیوں آگئی ہے ؟

" اے واہ اس شامت کی بھی ایک ہی رہی ۔۔۔ میرا کتنا موا جالی کا ہے

ہاتھ جھلکیں کے کہ نہیں"؟

"نہ یوں کہیئے نا کہ کوئی آنکھوں سے بجلیاں گراتا ہے آپ جگمگاتے بازوؤں سے گرانے والی ہیں"۔

"ثریا بی بی تمہیں بیٹھنے تک کی ڈھب نہیں"۔ پیچھے سے ہنسی کی آواز ابھری۔ جس نے ثریا پر فقرہ کسا تھا کہ بیٹھنے والا سمجھ بھی نہ اور ادھر قہقہے بھی اڑ چلے ۔۔۔

"کیوں میرے بیٹھنے کو کیا ہوا"۔ وہ بڑبڑا کر بولی۔

"ہم کیا کہیں بھئی ۔۔۔ بیٹھی تو بالکل سیدھے سادے طریقے سے ہو لیکن تم بھول رہی ہو کہ تمہارے گلے کے سارے بٹن کھلے ہوئے ہیں اور تم بار بار جھک جھک کر گنگال سے پانی بھر رہی ہو ۔۔۔ ہائے رے مر گئے ہم تو اس انداز پر تمہارے"۔

"ہائے اللہ"۔ ثریا نے اپنے گریبان پر نظر کی اور خود ہی شرم سے لال ہو گئی ۔۔۔

خورشید بیگم نے آکر غسل خانے کا دروازہ دھپ دھپایا۔ "اری لڑکیو۔ ہنسی مذاق ختم کرو اور باہر نکلو۔ بورے کی بوری سنگت اندر گھس گئی ۔۔۔ اماں بی چلا رہی ہیں کہ وقت پر تیار نہ ہوئیں تو گھر کی چوکیداری کرنی پڑے گی"۔

"ہائے اللہ تو ابھی ہمیں کتنی پڑی ہیں کیا"۔ گل بانو نے بڑبڑا کر پوچھا۔

حویلی کے غسل خانے بھی کیا تھے ۔۔۔ بڑے بڑے برآمدے جیسے ۔۔۔ اور پھر گنگال، جھلونیاں، لگن، سار اور تسلے ۔۔۔ ڈھیر کے ڈھیر رکھے ہوئے اور سب میں پانی بھرا ہوا کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے ۔۔۔ گھر بھر کی لڑکیاں

گھسی پڑی تھیں اور پتہ تک نہ چلتا تھا۔

"اپن تو چلتے ہیں بھئی" گوری ماں نے چادر لپیٹتے ہوئے کہا۔

"چھوٹ جائے اللہ کرے چادر" شنو دبی دبی ہنسی کے ساتھ بولی۔

"ارے جا۔۔۔ کدھر کی ہانک رہی ہے" گوری ماں اور بھی مضبوطی سے چادر سمیٹ کر بولی۔

اور جو کوئی "ہوتا تو" ثریا نے منہ چڑھا کر کہا۔

"جو کوئی ہوتا تو یہ خود چادر اٹھا کر پھینک دیتی" گل بانو نے بالکل سنجیدگی سے کہا۔

"توبہ ہے توبہ۔۔۔ تم نے تو شرم لاج سب بیچ کر کھالی ہے شادی تو ایک کی نہیں ہوئی اور مذاق دیکھو تو کیسے بے ہودے ہوتے ہیں"

"اچھا جی۔۔۔ یہ آپا جی کو کب سے چلی ہیں۔ بھول گئیں کیا وہ دن جب صادقہ آپا نہاکر یاں سکھاتی کھڑی تھیں تو آپ ہی نے کہا تھا۔۔۔۔۔

جھوٹی۔۔۔ بالکل جھوٹی۔۔۔ میں نے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ گرمی غضب کی تھی۔۔۔ بیچاری نہائیں نہ تو کریں کیا"؟

دبی دبی اور اونچی نیچی ہنسی کی آوازوں سے غسل خانہ گونجنے لگا۔

گوری ماں نے غسل خانے کی دراز سے جھانکا۔

"سامنے کوئی ہے تو نہیں" اس نے نسیمن سے پوچھا جو بھاگتے بھاگتے ہی اپنی چوٹی گوندھ رہی تھی۔۔۔

"ارے رے۔۔۔ اس بے چاری کا حال تو دیکھو" ہنس کے گوری ماں

نے دروازہ کھول دیا اور ہنسی سے بے حال ہوتی ہوئی بولی ـــ

" بے چاری کر پٹے گوندھنے تک کی فرصت نہیں ـــ اماں بی گرم ہو رہی ہوں گی "

نسیمن بھی کم نہ تھی ـــ ہنس کر بولی ـــ " کوئی تو البتہ ہے نہیں ـــ بس عورتیں ہی عورتیں ہیں "

" بد ذات کدھر کی ـــ "

دروازہ کھلتے ہی پورا آنگن اُبٹن کی خوشبو سے بھر گیا ـــ اماں بی نے خاص طور سے حیدر آباد سے اُبٹن منگوایا تھا ـــ قدیر میاں بچے تو مرد بچے ـــ دولہے کی صورت کا کیا رکھنا ـــ؟ ان کے رنگ روغن کو سنوارنے بنانے کی ضرورت بھی کیا تھی مگر اماں بی کا چاؤ کیا پوچھنا اُبٹن سے ان کو پیلا کر دیا جاتا ... اور یہ سب کچھ شادی کے کئی دن قبل سے ہو رہا تھا شادی کا دن آتے آتے تک تو وہ سچ مچ گوروں میں شمار تھے ـــ یوں ان کا رنگ کھلتا ہوا سا نیا تھا ـ جوان جسموں سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہوئے ـ بال الجھے الجھے یا انہیں کھلی کنگھی ـــ پنڈلیاں چادروں سے کچھ ڈھکی ہوئی کچھ کھلی چھپی ... سارا دیوان خانہ مہک اٹھا ـ یہ خوشبو صرف اُبٹنوں اور مصالحوں کی ہی نہ تھی ـــ انگ انگ سے مہک اٹھ رہی تھی ...

" گوری ماں ـ اب تم نے یہ بال کیوں دھو ڈالے ـــ! جب معلوم ہے کہ لمبے لمبے گھنے بال ہیں ـــ اب بیٹھی رہو تم ـــ گھنٹے لگ جائیں گے اور گتھیاں نہ سلجھیں گی " خالہ بی نے ذرا ڈانٹ کر کہا ـــ

" ارے خالہ بی آپ دیکھئے تو سہی ـــ میں دیکھتے دیکھتے تیار ہوئی جاتی ہوں "

مسی، افشاں اور کاجل، سرمے کی ڈبیاں ہاتھوں ہاتھ ہونے لگیں ——
آئینوں کے لئے چھینا جھپٹی ہونے لگی ——

" توبہ ہے خدایا —— ذرا صلاحیت برتو —— سبھی ایکدم سے سنگھار پر ٹوٹ پڑے —— کوئی کپڑے بدلو، کوئی سنگھار کرو۔ سبھی ایک ساتھ سنگھار کیسے کریں گے بھیا! —— آئینے کافی بھی نہ ہوں گے "

" واہ یہ اچھی سنائی ۔ اماں بی نے شہر سے ڈھیر سارے آئینے منگوائے ہیں !!"

" تو مردانہ بھی تو کچھ کم نہیں ہے نا "

کھڑے اڑے تم پیچھے —— کرتیاں، لپ جھپ کرتے کرتے ۔ اوڑنی نیلی پیلی، جگمگاتی جو لیا —— زیوروں کا مرحلہ پھر بھی باقی ہی تھا ——

میراثنی جو خود بھی تیار ہو رہی تھیں اب سج دھج کر ڈھیر گانے پر جت گئیں ۔ ڈھولک کو تھپ تھپا کر وزیرن میراثن نے گلا پھاڑنا شروع کر دیا ——

سکھی ری ڈولی جو آئے دوار

اونچی اونچی آوازیں، دھوم دھڑکے ہیں اور بھی ہنگامہ سا پھیلانے لگیں ——
اتنے میں کسی نے ہلچل مچادی ——

" وقت بالکل کم رہ گیا ہے —— گاڑیاں لگنے ہی والی ہیں "

" توبہ ہے مسی کی ڈبیا کدھر پھینک دی "

" ارے افشاں کدھر ہے "؟

اب ہنسی مذاق کی بجائے چڑنا شروع ہو گیا ——

" دیکھو۔ یہ تو خود کے بدھیں —— دوسروں کو لتاڑ رہی ہیں ۔ وہ سامنے

کیا دھرا ہے پلنگ کی پٹی پر۔"

"افشاں تو ساری ختم کردی ـــ توبہ ہے ایسا بھی کیا ساج سنگھار۔ جیسے انہی کو دلہن بننا تھا آج ـــ"

بابل کی گلیں چھوڑن پڑے ہے
ہو گی نہ مجھ سے سہار
سکھی ری ڈولی کھڑی ہے دوار

گڈری ماں کا ہنستا مسکراتا چہرہ جیسے کھنچ گیا ـــ ثریا سے لپٹ کر بولی۔

"ثرو ـــ یہ کتنا عجیب گیت ہے ـــ مجھے بڑا رونا آتا ہے۔"

تیز چبھتی ہوئی آواز پھر آئی۔

سکھی ری ہو گی نہ مجھ سے سہار

"یہ دن تو سبھی پر آنا ہے ـــ بابل کی گلیاں پیاری ضرور لگتی ہیں لیکن چھوڑنی تو پڑتی ہی ہیں ـــ لاکھ کوئی کہے کہ سیاں آئیں تو سکھی ری مجھے اپنے پلو کے پیچھے چھپا لینا، اماں کی آنسو بھری آنکھیں مجھ سے دیکھی نہ جائیں گی ـــ بھیا کی دل خراش دہاڑ کی مجھے سہن نہ ہوگی ـــ بہنوں کی آنسو بھری اور خاموش اکھیاں میں نہ دیکھ پاؤں گی مگر پیا کے نگر جانا کس سے چھوٹا ہے؟ بڑے بڑے رئیس کر چاہیں تو جہیز میں ہیرے دے دیں، جواہر دے دیں وہ بھی تو ایسا نہیں کر سکتے کہ ڈولی پھیر دیں ـــ"

خورشید بیگم یہ سب کچھ ایسے انداز میں کہہ رہی تھیں کہ لڑکیوں کے دل کٹے جا رہے تھے ـــ

"اور ہوتا ہے ہر کہ جس ڈولی میں بیٹھتے آنسو ٹپکتے ہیں۔ دل کانپتا ہے رہی اتنی عزیز ہو جاتی ہے کہ . . . ان کی اپنی آنکھیں بھیگنے لگیں تو مسکرا کر بولیں ——

"نادان لڑکیو —— آج تو خوشی کا دن ہے کہ ہمارے گھر دلہن آ رہی ہے —— آج تو ہنسنے کا دن ہے نہ کہ رونے کا —"؟

ادھر گیت کے ختم ہوتے ہی دوسرا شعر لہرا رہا تھا —

گھوڑے پر سوار میرا بنڑا چلا رے

پانچ بجنے میں آدھ پون گھنٹہ رہا ہوگا کہ نوکرانیوں نے اطلاع دی۔

"بڑے دروازے سے گاڑیاں لگنی شروع ہو گئی ہیں"

اماں بی نے آج وہ ساج سجائے تھے کہ جانوروں تک کو بھی جھگ جھگ کرتے جھول لنے پہنوا دیئے —— گاڑیوں کی لائن جو شروع ہوئی تو حویلی سے لے کر باغ والی کچہری تک ختم ہونے میں ہی نہ آئی —— اور حویلی سے کچہری کا فاصلہ دو میل سے بھی بڑھ کر ہی تھا —— یہ تو یہاں تھڑ بیری کے بیروں کی طرح ٹپکتا تھا۔ اس کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی —— دس کی جگہ سو اٹھائے جاتے۔ سو کی جگہ ہزار —— اور پھر اماں بی کا ہاتھ کہ پیسے کو کبھی ہاتھ کے میل سے بڑھ کر اہمیت نہ دی۔

حد نظر تک گاڑیاں ہی گاڑیاں نظر آ رہی تھیں —— سفید سفید نسلی بیل —— ستاروں کی طرح چمکتی آنکھیں —— سفید سفید اونچی اونچی ٹانگیں۔ مضبوط کھر —— سب کی پیٹھوں پر سرخ سرخ جھولنے —— ننھے ننھے پٹے اور

گوٹے سے جگمگاتے ـــــ گلے میں گھنگھرو ـــ پاؤں میں گھنگھرو۔ کھبال ملاتے میں زور زور سے مٹھیاں ہلاتے تو چھن چھن جھنکار ہو جاتی ۔ یوں جیسے رنڈی ناچ رہی ہو ـــ گاڑیوں کی چھتوں پر سُرخ چھت گھرے ـــ ان میں ریشمی پھندنے لٹکتے ہوئے ـــ

دولہا میاں کی گاڑی کا رنگ سب سے الگ تھا۔ گاڑی کا ہم تو تھی گھوڑوں والی اونچی سی بگھی تھی ـــ یہ اونچی کی اونچی ـــ دو نقرئی اور سفید گھوڑے جن کے آنکھ پر چاندی کے گہنے تھے ۔ وہ بھی اپنی جگہ دولہے ہی نظر آتے تھے ۔

اماں بی کا تو کہنا تھا کہ دولہا ہاتھی پر سوار جائے مگر کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ ـــ حویلی پر جو ہاتھی جھومتا تھا وہ کالے رنگ کا تھا ـــ یہ بھبھوت کا بھبھوت ـــ ابّا میاں کا کہنا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو کالے ہاتھی نہ چڑھائیں گے سیاہ رنگ بد ہوتا ہے ـــ

امّاں بی نے کہا بھی کہ " اتنا ہی ارمان ہے تو سفید ہاتھی کیوں نہ خرید لو "

کریم بخش اور خود اماں بی کے چھوٹے بھائی صمدو میاں شہر دن شہر پھرے مگر سفید ہاتھی نہ ملا ـــ چڑیا گھر میں تھا ضرور مگر وہ نہ مل سکا ـــ تھک ہار کر بات بگھی پر ہی پڑی ـــــ بگھی بھی مگر اپنے نام کی تھی ۔ اماں بی کے ہاتھوں کا سارا کام تھا بھلا کیا کمی ہو سکتی تھی ـــ ؟

دھوپیں اتر اتر کر دیواروں سے لگ گئیں تب کہیں جا کر ساری بیبیوں کا سیج سنگھار ختم ہوا ـــ دلہن تو اپنی جگہ رہی ہر لڑکی دلہن کا بدل معلوم ہو رہی تھی ـــ گہنوں کی بھرپور جگمگاہٹ ـــ کپڑوں کی چھپاہٹ ۔ اور پھر

سنگار۔ آنکھوں کے نیچے افشاں چمکتی ہوئی — پپوٹوں پر ستارے سے جگمگاتے ہوئے — سیدھی مانگوں میں دور تک چمکدار ذرّے بکھرے ہوئے کہ اندھیری راتوں میں جیسے جگنو اڑے جاتے ہوں — ہونٹوں پر مسّی کی وہ اودی اودی دھڑی — اجلے اجلے دانت کہ لگتا تھا مخمل کی ڈبیوں میں جوہری نے سچے موتی سجا دئے ہوں — اور جو کنواریاں تھیں انہوں نے پان کھا کھا کر اپنے ہونٹ انگاروں کی طرح دہکا لئے تھے —

امّاں بی دانتوں پر منجن گھستی ہوئی جلدی سے حمّام کو لپکیں تو خورشید بیگم نے جا لیا —

"اے واہ یہ اچھی زیادتی ہے کہ ہم لوگوں کو تو ڈانٹ ڈپٹ کر تیار کروا دیا اور خود لپکتی پھر رہی ہیں — یہ کوئی دانت گھسنے کا وقت ہے"؟

"اری نیک بختی — مسّی ڈھنگ سے نہیں جمتی جب تک کہ دانت نہ صاف کروں"

"تو یوں کہیئے ناکہ آج آپ اپنی بھی سہاگ رات منا رہی ہیں"

"اری بے شرم — اری بے شرم — تیری زبان تو دیکھ کہ بڑھتی جاتی ہے —"

"اور کیا — میں نے آپ کا جوڑا جو کی پر دھرا دیکھ لیا ہے سفید جالی کا ٹھپہ لگا دوپٹہ — جالی کی صندلی کرتی، پھولدار اطلس کی ہلکی صندلی چولی اور کمخواب کا چمکیلا صندلیں پاجامہ — یہ سب ماموں جان کو لوٹنے کے سامان ہیں کہ نہیں —"؟

بہت ساری نگاہیں ادھر ہی مرکوز ہونے لگیں تو خورشید بیگم آپ ہی آگے بڑھ گئیں ـــ اماں بی مسکراتی ہوئی اپنے حمام میں گھس گئیں ـــ

اسحٰق میاں پردے کے پاس اپنی بیوی سے ہاتھ بڑھا کر آنکھیں ملا رہے تھے۔ خورشید بیگم کو اس سے اچھا موقع اور کب ملتا ـــ وہیں سے ہنس کر بولیں ـــ

"آپا! آپ کو اس سے اچھا اور کوئی وقت نہ مل سکتا تھا ـــ ؟"

نزہت بیگم نے منہ پھیر کر دیکھا اور حیرانگی سے بولیں ـــ

"کس بات کے لئے ـــ ؟"

"اب منہ کیوں کھلواتی ہو ـــ تمہارا سنگھار تو دیکھو کہ دھرا رہ گیا کہ ساری افشاں اب اسحٰق بھائی کے منہ پر جگمگا رہی ہے ـــ افشاں کے تو پھر تو نہیں لگ گئے تھے ـــ ؟"

اسحٰق میاں حد درجہ پھکڑ آدمی تھے ـــ ڈھٹائی سے بولے ـــ

"اور کیا ایسے موقع بار بار تو آتے نہیں ـــ مردانے میں اُدھر ہی بیٹھے بھائی ـــ جھینپوں کیا ـــ ؟"

خورشید بیگم بوکھلا کر بھاگ کھڑی ہوئیں ـــ

اماں بی تیار ہو کر نکلیں تو سوار ہونے کے لئے دھوم مچنے لگی۔ گاڑیاں پچاس سے بڑھ کر تھیں، ہر گاڑی میں چار چار پانچ پانچ کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ ایسے دھماکڑے میں وہ رول پڑنے لگی کہ باقاعدہ میلے ٹھیلے کا منظر کھنچ گیا۔

بڑے ماموں اور بڑے سرکار نے مل کر ہی طے کیا تھا کہ آگے آگے مردوں

سے لدی گاڑیاں ہوں گی۔ اس کے بعد دولہے کی بگھی اور پھر عورتوں کی
ڈولیاں ـــ آگے و بازو باجے والے باجے بجاتے اور آتش بازی، پٹاخے اور
پھول جھڑیاں چھوڑتے چلیں گے ـــ مگر ہمیں اس موقع پہ اگر کچھ ـ سوچ رہا تھا
شہر پہ لڑکے ہاتھ پکڑ پکڑ کر خالاؤں، اماؤں، پھوپھیوں اور مامیوں کے
آگے میں لڑکیوں کو کھینچ رہے تھے ـــ ادھر لڑکیوں میں یہ بات طے ہو گئی تھی
کہ ابھی ایسے موقعوں پہ بھی اگر الگ الگ بیٹھے تو مزہ ہی کیا ہے ـــ بات تو جب ہے
کہ سب مل جائیں ـــ جیسے مانجھے کے دن گڑبڑ ہوتی تھی۔"

ادھر سے ماموں میاں چلائے اور اُدھر سے بڑے سرکار ـــ کس کی کون
سنتا تھا۔ اماں بی نے چڑ کر بڑے سرکار سے کہا۔

" ارے تو ہمارا انتظام تھا تمہارا کہ ہوا نکاح خوانی کا وقت ٹلا جا رہا
ہے ـــ اور لڑنے کی نوبت ہی نہیں آ سکتی۔"

بڑے سرکار نے نہایت شرمندگی سے کہا ـــ " ارے بھئی میں کیا کروں یہاں
تو سب ایک دوسرے کو لوٹتے دھکے دیتے پھر رہے ہیں۔"

اماں بی اور بڑے سرکار کو ایک جگہ دیکھ کر پھر خورشید بیگم کی زبان
میں کھجلی ہونے لگی ـــ کسی بہانے پاس سے گذر کر دبی آواز سے بولیں۔

" ممانی جان ـــ ابھی نہیں، رات کو ـــ"

اماں بی کے منہ پر ہنسی بکھر گئی ـــ ہنستے ہنستے بڑے سرکار سے مخاطب
ہو گئیں۔

" ایسے تو کام نہیں نبٹے گا۔ پکار کر کہہ دو کہ جس کے جہاں سینگ سمائیں

بیٹھ جائیے ۔۔۔ یوں تو یہیں صبح ہو جائے گی۔"

اس اعلان کا سننا تھا کہ لے دے دے مچ گئی۔ ہنسی شور و غل غبارے پھٹ گئے ۔۔۔ بزرگوں نے منہ پھیر پھیر کر، انگلیاں منہ میں دے دے کر سیٹیاں بجانے لگے ۔۔۔ گاڑیوں میں ایک ساتھ بیٹھنے کا مزہ یہ تھا کہ گڑھوں اور ہچکولوں کے ہلنے ایک دوسرے پر گر سکتے ہیں ایک دوسرے سے دھکے لگتے ہیں ۔۔ اور کسی کے گھٹنے ہیں تو کسی کی پیٹھ اور کسی کی پیٹھ ہے تو کسی کے گھٹنے ۔۔۔ اور کبھی تو الٹا موقع ہے کہ بیٹھیں آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہی ہیں ۔۔۔

"کریں کیا بھئی ۔۔ کمبخت گاڑی کا سفر ہے۔ بیل ہیں کہ ہوا سے باتیں کر رہے ہیں ۔۔۔ جگہ ہے وہ اتنی کم ۔۔۔ جائیں تو کدھر جائیں ؟ ایسی ہی شرم تھی تو آپ سمٹیں کیوں اس گاڑی میں ؟"

کوئی ڈیڑھ گھنٹے دو گھنٹے میں گاڑیاں لدیں اور باجے والے نے زور سے نوبت ٹھونکی ۔۔۔ اس کے ساتھ ہی زور سے زور سے شہنائیاں اور تاشے بجنے لگے مجیرے کھن کھنانے لگے اور تالیاں پٹنے لگیں ۔۔۔ پہلی گاڑی آگے بڑھی اور پھر سبھی گاڑیاں حرکت میں آ گئیں ۔۔۔

نذیر میاں اپنے آپے میں نہ تھے۔ سہرے کی لڑیں تھیں کہ قدم چومے لے رہی تھیں ۔۔۔ بہن نے بڑے ارمان سے سرمہ لگایا۔ یہ لاکھ نا، نا کرتے رہے مگر افشاں بھی لگا دی ۔۔۔ اپنے ہاتھوں سے اچکن پہنائی ۔۔۔ نہلانے دھلانے کی وہ وہ گت ہوئی کہ مانجھے کا دن بھی ماند پڑ گیا ۔۔۔

رتاں بی کی تجوری کا منہ کھلا تھا ۔۔۔ لڑکیاں بالیاں انگلی بھی چھوا

دیتیں تو نیگ مانگنے منجھلی پیار دیتیں ـــــ اماں بی نے بھی رئیسوں کی طرح تجوری کا منہ کھلا چھوڑ دیا ـــــ سرخ ریشمی چادر اوڑھا کر جب دولہا میاں کو اٹھایا گیا تو اماں بی نے کتنے ہی سنہری سکے وار پھینکے ـــ بھائیوں بھانجوں اور ماموں نے گودوں اٹھایا اور پلنگ پر لا بٹھایا ـــــ اور سجا سنوار دیا تو ادھرے بڑے ماموں سہرا لئے آئے ـــ بہن سے بولے۔

"نیگ چھوڑنے والا نہیں ہوں منجھلی ماں"

"اے میاں تو کون منہ موڑتا ہے ـــ جنہیں میرے مانگنے والے"

"ابھی بولوں گا بتاؤں گا تو بس منہ موڑ لیں گی ـــ سہرے کا نیگ ایسا ویسا بھی نہیں ـــــ ہر ہر لڑے کے بدلے موتیوں کی لڑ لوں گا اور سر کے جھپکے کا لعل ـــ"

اماں بی ہنسیں ـــــ بس اتنا ہی نا ـــ؟

ماموں نے بسم اللہ پڑھ کر پہلے تو داہنی طرف سہرا چھوایا پھر بائیں طرف۔ پھر بہتر زندگی اور خوشیوں ارمانوں بھری زندگی کی دعائیں دیتے ہوئے پیچھے گرہ لگا دی ـــــ

پھر گوکرے سے بدھیاں اٹھا کر آگے پیچھے پہنائیں ـ ہاتھوں کے گجرے بازوؤں میں بازو بند اور گلے میں ہار ڈالے کہ منہ چھپ گیا ـــــ لباس چھپ گیا ـــ

نچھاور کے سکوں سے پھلوارن کی گود بھر گئی ـــــ

"ادھو موئے گاڑی والے ایسے ہوا پہ نہ اڑتے چلو ـــ پیچھے کسی

کی آواز آئی اور گاڑیاں دھیمے دھیمے چلنے لگیں۔

اماں بی کی گاڑی کے پیچھے والی گاڑی میں مغلانی بی تھیں۔ ان کی نگرانی میں چڑھاوے کے جوڑے سجے تھال رکھے تھے۔ خود اماں بی کی گاڑی میں زیورات کا صندوقچہ تھا۔ اس کے پیچھے والی گاڑی میں بری خرمے تھے۔ اس کے پیچھے بادام۔ اس کے پیچھے مصری۔ کاجو کشمش، ناریل، گیارہ گاڑیاں تو بری سے ہی لدی تھیں۔ پھر آگے پیچھے گاڑیوں کا ہجوم تھا کہ سنبھالے نہ سنبھلتا تھا۔

کہاں تو ماموں میاں اور اماں بی کا اندازہ تھا کہ گاڑیاں بچ رہیں گی اور یہاں یہ گت بن گئی کہ محلے ٹولے والوں کی گاڑیاں بھی پوری نہ پڑیں۔

سب سے پیچھے پیچھے گاؤں کے کم ذات لوگ تھے جو شادی کی رونق میں اضافہ کرتے ناچتے گاتے چلے آرہے تھے۔ دھنادھن انار چھوٹتے۔ آتش بازی چھوٹتیں اور چکا چوند ہو جاتی۔ پھول جھڑیاں اجالا بکھیر دیتیں۔

اب شام کا اندھیرا پڑنا شروع ہو چکا تھا اس لئے گیس بتی والوں نے ہنڈولے روشن کر دیئے۔ ہر گاڑی کے آزو بازو دو ہنڈولے۔ ہزاروں کی تعداد جا پہونچی۔ باجے والے دھنادھم ڈھول پیٹ رہے تھے۔ گاڑیوں کے اندر شادیاں رچ رہی تھیں۔

دولہن کا گھر قریب آگیا تو چہل پہل میں دگنی رونق ہو گئی۔ سبھوں میں ہل جل سی مچ گئی۔ دور دور تک راستے میں جھنڈیاں، کمانیں اور کاغذی بیل پھول سجائے بنائے گئے تھے۔ اماں بی کا منہ کوئی دیکھتا ایسے خوشی اُمڈی

پڑ رہی تھی کہ نئے سرے سے جوانی ٹپکی پڑ رہی تھی ۔

دولہن کا گھر آگیا....

دونوں طرف کے باجے والوں نے مل جل کر شہنائیوں کا شور آسمانوں تک پہونچانے کا فیصلہ کر لیا ۔۔۔ گاڑیاں ایک ایک کر کے رک گئیں ۔۔ یہاں دولہن کے گھر قناتیں لگی ہوئی تھیں ۔۔۔ پردے تنے ہوئے تھے مگر کس کا پردہ کہاں کا گوشہ ؟ ایسی ایسی دھوم دھام مچی کہ کسی کو اپنا ہوش نہ تھا ۔ سب اندر آگے پیچھے اتر پڑے ۔۔۔ مردوں نے تو سنگھار نہیں کیا تھا مگر ان کے منہ تھے کہ افشاں سے چمک رہے تھے ۔۔۔ مسّی کی سیاہی ان کے ہونٹوں تک بھی پہونچ گئی تھی ۔۔۔ لگے ہاتھوں منانے والوں نے پہلے ہی سہاگ رات منالی ۔

بڑے سے صحن میں سرخ رنگ کی چاندنی بچھی ہوئی تھی ۔ اس کے حاشیوں پر پھولوں کی ننھی بوٹیاں سجائی گئی تھیں ۔۔۔ بیچوں بیچ ایک چاندی کی چوکی تھی ۔۔۔ چوکی پر سے ہو کر صمد حسن کو گذرنا تھا ۔ اس کیلئے چار کنواری لڑکیاں چھت گیری پکڑے کھڑی تھیں اور پاس ہی دلہن کی خالہ پھولوں کی چھڑیاں لئے صمد حسن کی "تواضع" کرنے کھڑی تھیں ۔

سب سے پہلے اماں بی آئیں ۔۔۔ ان کے منہ کے قریب اچھوا لے جایا گیا ۔۔۔ انہوں نے منہ کھولا اور ادھر ہاتھ دور ہو گیا ۔ ہنسی کی وہ دھوم کہ حد نہیں ۔

اے بی یوں جھٹ سے منہ کھول دیا جیسے کبھی چوبا ملا ہی نہ ہوگا کھانے کو ۔

اماں بی ہنسنے لگیں۔

پھر سے ہاتھ سامنے آیا اور اب کی بار اماں بی نے کھلانے والی کی کلائی پکڑ، پورا پنجہ ہاتھ میں لے، انگلیاں منہ میں بھر لیں۔

اس کے بعد دلہے کی خالہ — پھر خورشید بیگم، امانی بیگم، ممانی بی، چھوٹی بڑی لڑکیاں بالیاں، سبھی نوازی گئیں۔ چھوہارا، شربت اور پان کھاتی، خالہ برتنوں میں روپے ڈالتی، آگے بڑھتی گئیں — اور جب اماں بی اغوں میں اچھی طرح جوتا آگئی تب کہیں اس وقت صمد میاں ذو لہن کے کمرے کے سامنے والے دالان تک پہونچ سکیں۔

مردوں نے بری کے سینی اور تھالی باہر ہی باہر اتروا لئے تھے۔ نکاح خوانی شام میں ہونی ٹھہری تھی۔ حویلی کے سارے جوڑوں کی نکاح خوانیاں شام ہی کو ہوئی تھیں — .... خود بڑے سرکار کی نکاح خوانی بھی شام کو ہوئی تھی — سات آٹھ بجے تک نکاح خوانی ہوتی۔ گیارہ بجے جلوے سے فراغت ہو جاتی اور دلہن سسرال آجاتی۔

باہر باجے والوں کا شور کم ہو گیا تھا کیونکہ نکاح خوانی ہونے والی تھی۔ اندر سے ساری عورتیں چقوں اور پردوں کے پاس آکر بیٹھ گئی تھیں — کوئی کوئی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے کھڑی بھی تھیں کہ دولہے کو دیکھ سکیں۔ اور نکاح خوانی کی ساری کارروائی نظر آسکے — دولہے میاں سہرے توڑوں میں لدے پھندے قاضی جی کے بالکل سامنے بیٹھے تھے۔ ہزاروں براتی سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ماموں، پھوپھا اور دو چار گواہ دلہن کی مرضی لینے کو اندر آئے۔ کس کی

مرضی۔ کہاں کی رضامندی — یہاں تو بس آنسو تھے کہ جھر جھر بہے چلے آتے تھے۔
نکاح خوانی پڑھائی گئی اور "قبول ہے — قبول ہے۔ قبول ہے" کی
آواز کے ساتھ ہی، ادھر باجے گاجے والوں نے پھر سے دھن دھنا دھن شروع
کر دی اور ادھر دولہن کے کمرے سے ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز آنے لگی۔
سولہ سترہ برس جس گھر میں گذارے۔ جس زمین کے ذرّے ذرّے سے پیار
کیا — جن آنگنوں اور صحنوں میں جوانی آئی — نکاح کے دو بولوں کے ساتھ
ہی سب کچھ پرایا ہو گیا — ادھر دلہن کی سسکیاں ہیں اور ادھر ماں بہنوں
خالہ، پھوپھیوں کی ہچکیاں — امّاں بی کے دل میں کھلتے خوشی کے پھول
ذرا کی ذرا مرجھائے — انہیں بھی اپنا وقت یاد آ گیا — کیسی شام تھی
وہ کہ آنسو نہ ٹوٹتا تھا — ماں بہنیں بھی باری باری پیٹتیں اور آنسو
بہے جاتے — سسکیاں، ہچکیاں پھر تیز تر ہو جاتیں —
آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوؤں کو انہوں نے ہلکے سے غم کے احساس
کے ساتھ پونچھ لیا — آگے بڑھیں اور اپنی نند کو گلے لگا کر بولیں —
"ودی انوری — شاباش ہے تم کو — ایسی کیا دور جاتی ہے،
لڑکی — ؟ مجھ کو تو دی ہے نا — میں کیا رقیہ مان گوری ماں اور ذکیہ ماں میں
فرق سمجھوں گی — ؟ یہ مجھو دالان سے اٹھ کر صحن میں آ گئی — یہ دور تھی بھی
کوئی منزل کی ہوئی —"
تسلّی کے دو بول سننے کو ملے تو انوری بیگم کے آنسو اور تیزی سے گرنے لگے۔
امّاں بی نے چونکہ اپنی نند کی بیٹی اٹھائی تھی اس لئے مہمانوں کا بٹوارہ بھی

دو طرفہ ہوا تھا ۔۔۔ اب اتنے نزدیک کا رشتہ تھا۔ کون کدھر جاتا ۔۔۔ ؟ سبھی چاہتے تھے کہ دونوں طرف سے شریک رہیں جیسی دولہن ویسا دولہا۔

اماں بی نے صلاحیت سے سمجھا دیا ۔۔۔ "توبہ ہے میں کہوں تمہاری عقل بھی بوڑھی ہو گئی ۔۔۔ یہ میاں کو طعنہ تھا۔ اِدھر نہ آئے اُدھر ہی چلے گئے۔ آنکھیں پلکیں جدا جدا ہیں ۔۔۔؟؟ آخر کو بھی ایک ہی جگہ جمع ہونا ہے"۔

اب پورا خانوادہ انوری بیگم کے ہاں جمع تھا ۔۔۔ وہ ہڑبونگ اور وہ چہل پہل کہ ماؤں سے بچے چھوٹ گئے۔ نوکروں، نوکرانیوں کی گودوں سے ننھے منے لڑکے لڑکیاں کھو کر گر گئے ۔۔۔

سوا لاکھ پر مہر بندھا ۔۔۔ بری کا سامان لٹایا جانے لگا۔ اور باہر لڑکوں میں اودھم مچ گیا ۔۔۔ سرپیچ کھلے جانے لگے اور بری لوٹی جانے لگی ۔۔۔

باہر آدمی سندیسہ لے کر آیا۔

"بڑے سرکار کہتے ہیں کہ اب آرسی مصحف میں جلدی کرو تو اچھا ہے نہیں تو رات کے ۲ دو تو ہمیں بج جائیں گے"

ادھر انوری بیگم نے کہا بھیجا ۔۔۔ "ودئی بھائی میاں یہ اچھی سنائی ۔۔۔ تو کیا باراتیوں کو کھانا پینا بھی نہ ہوگا۔ اب شادی منگنی میں ہی دیر نہ ہو تو اور کن کاموں میں ہوئے" ؟

ہر گھر میں ایک نہ ایک حضرت رنڈی کے ناچ کے دلدادہ ہوتے ہیں ۔۔۔ اشرف میاں ہر اس شادی میں جہاں رنڈی کا مجرا ہوتا ہے ۔۔۔ بن بلائے پہنچ جاتے۔ رنڈی کے ناچ کی بات تو ایسی ہے کہ بہتوں کو اس کا شوق ہوتا ہے کہ ان سے

تو ہیجڑے بھی نہ چھوٹتے ـــــ گلی میں آئے دن لونڈوں کا شور مچتا اور ہیجڑوں کی ایک آدھ ٹولی، ناچتی گاتی، بھاؤ بتاتی تھرکتی آتی ـــــ ان کے ہاتھ کا نالہ چھوٹ جاتا ـــــ ہر ہر ادا پر لوٹے جاتے اور جیب خالی کرا کے گھر لوٹتے۔

بڑے سرکار کے رشتوں کے بھتیجے لگتے تھے ـــــ شادی جیسی شادی ہو رہی تھی انہوں نے منہ پھاڑ کر کیا اماں بی ٹالنے والی تھیں ـــــ برات کے ساتھ کہاں نہیں؟ شہر سے رنڈی لانے گئے تھے ـــــ پانچ سو روپے رات پر اس نے آنا قبول کیا ـــــ سازندوں اور استاد جی کا نذرانہ الگ ـــــ

ادھر کھانا دانا ختم ہوا نہیں کہ ادھر محفل رنگ پر آ گئی ـــــ کار چوبی کے حاشیے والی مسند پر مخملیں تکیے سے لگی، الماس خانم بڑی ادا سے بیٹھی تھی۔ گاؤں کی چھال چھچھوریوں جیسا انداز نہ تھا ـــــ یوں تمکنت اور بھاری بھرکم پنے سے بیٹھی تھی جیسے کہیں کی رانی ہو ـــــ

کسی نے غزل کی فرمائش کی، کسی نے رات جگائی کی ـــــ کسی نے گیت کی، کسی نے بابل کی، کسی نے محض ڈھولک کے گیت کی۔ تھکڑ بازوں کا جمع تھا ـــــ اس نے مذاق کا انداز لگایا اور شروع کیا ؎

جگنے کی رات آ گئی مرنے کی رات آ گئی

سیاں کی میٹھی گود میں مرنے کی رات آ گئی

"مرنے کی رات آ گئی" اس ادا سے، جسم کو چرا چرا کر بولتی کہ کٹھنوں کے لئے مرنے کی رات آ گئی ـــــ اشرف میاں کو یہ بھاؤ اتنا پسند آیا کہ بار بار گھماتے اور ہر بار دس پانچ پھینک دیتے ـــــ

ادھر زنانے میں جلوے کی دھوم ہو رہی تھی ـــــ جہیز کا بڑا جھیر کھٹ دس بارہ عورتوں نے مل کر صحن میں نکالا اور اندر سے دولہن کو سنوارا جانے لگا۔ دولہے کے ہاں کا بھاری سرخ کار چوبی جوڑا ـــــ وزنی زیور اور پھولوں کا گہنا پاتا ـــــ

رات کے گیارہ ہو رہے تھے کہ دولہے میاں کو اندر سے بلاوا آگیا۔ باہر یونہی رنگ جا رہا اور اندر آرسی مصحف کے لئے عورتوں کی جھوڑ ہونے لگی۔

دولہے کے قدم رکھتے ہی سالیوں نے شربت پلایا، پان الائچی کھلائی ـــــ دولہن کے چھوٹے ماموں نے اندر سے دولہن کو گود میں اٹھایا اور باہر لائے۔

آمنے سامنے منہ کر کے دلہن دولہا کو بٹھایا گیا ـــــ یہ وقت ماں بہنوں پر کیسا کڑا گذر رہا تھا کہ اس کارروائی کے بعد سدا کے لئے بہن بیٹی سے ساتھ چھوٹنے والا تھا ـــــ

پانچ سہاگنوں نے گھونگھٹ میں منہ ڈالا اور پھر خورشید بیگم نے دولہا کو دلہن کا منہ بتایا۔

"بولو چاند ہے کہ نہیں ؟"

تدبیر میاں مسکرا کر رہ گئے ـــــ واقعی چاند جیسا مکھڑا تھا کہ گورے گالوں کی جوت سے گھونگھٹ میں اجالا سا پھیل رہا تھا۔

گاڑی والوں کو کھانا کھلا دیا گیا تھا اور وہ بھی جوتوں کے پاس بیٹھے اپنی دھوتیاں سنبھالتے، منہ سے رال ٹپکاتے، رنڈی کا ناچ دیکھ دیکھ کر محظوظ ہو رہے تھے۔

ادھر جہیز نکلنا شروع ہوا اور ادھر بیل گاڑیوں سے جوتے جانے لگے۔

جہیز بھی کیا تھا کہ بس دنیا ہی سمیٹ کر دے دی تھی۔ بس چاند تارے ہی رہ گئے تھے۔ اور وہ بھی یوں کہ بس کی بات نہ تھے ورنہ یہ کمی بھی پوری ہو گئی ہوتی ۔۔۔ یوں انوری بیگم رئیس نہ تھیں اور پھر اپنے بھائی کے مقابلے تو یوں بھی کم ہی تھیں مگر بڑی جگہ بیٹی دو تو سسرالیوں میں چاہے نہ مہنگا ماں جایا بھائی ہی کیوں نہ ہو ۔۔۔ ناک تو اونچی رکھنی ہی پڑتی ہے ۔

دولہن کے باپ، رحیم بیگ، ہٹے ہٹے جاتے تھے ۔ وہ دل کہاں سے لائے کہ جس بیٹی کو آنکھوں کی پتلی بنائے رکھا ۔۔ جس کو سدا آنکھ کی جوت جانا، ایسے ہی اپنے دل سے، اپنی آنکھوں سے، اپنے سے جدا کر دیں۔ ان کی داڑھی تھی کہ آنسوؤں سے بھیگی جاتی اور وہ آنسوؤں کو روکنے کی ناکام کوشش کئے جاتے ۔

اماں نے پلو منہ میں رکھ لیا ۔۔۔ بہنوں نے آنسوؤں کو روکنے کی کوئی ضرورت ہی نہ سمجھی اور اور بلک بلک کر رونے لگیں ۔ سالے بہنوئی گلے مل کر لائے ۔۔ "بھائی میاں ایسا دل چھوٹا نہ کیجئے ۔۔ دولہن کا ہاتھ تو دے دیجئے دولہا کے ہاتھ میں"

بڑے ضبط کے ساتھ، دل کو سنبھالتے رحیم میاں آئے ۔۔ آواز تھی کہ کانپے جاتی ۔۔ بیٹی کا نازک سا حنائی ہاتھ پکڑا اور داماد کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولے ۔۔

"بیٹے خوشی خوشی لئے جاتے ہو ایسے ہی تمام عمر ساتھ نبھانا میاں۔"

ہم نے تو اپنی آنکھوں کا نور سمجھا، تم بھی یہی سمجھنا "

پھر بیٹی کی پیشانی چوم کر بولے ۔

" بٹیا ۔ خدا نہ کرے کوئی مصیبت پڑے، یا کٹھن وقت آئے تو کبھی ہمت نہ چھوڑنا ـــــ اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھنا اور جیسے ڈولی چڑھ رہی ہو ایسے ہی ڈولے میں سوار ہو کر اس گھر سے نکلنا ـــــ اب تو وہی تمہارا گھر ہے "

ادھر میراثنوں نے بابل چھیڑ دیا تھا ؎

ہم تورے بابل کھونٹے کی گئیاں ہانکو جدھر ہنک جائے رے

ہم تورے بابل کھیتوں کی چڑیاں رات رہی اڑ جائیں رے

بھیّا کو دیئے محلے دو محلے ہم کو بیاہا بدیس رے ـــــ

ـــــ سن بابل مورے

• کلیجے کٹ کٹ کر آنکھوں کے راستے گرنے لگے ـــــ اور شادی کا گھر جیسے موت کا گھر بن گیا ـــــ

ماموں میاں نے بڑھ کر دولہا سے کہا " میاں دولہن کو گود میں اٹھا لو اور گاڑی میں بٹھا دو "

" گود میں ـــــ ؟ " قدیر میاں ہنس کر بولے ۔

" اور کیا میاں ـــــ زندگی بھر کا بوجھ اٹھانے کی ہمت ہے تو کیا ایسی ہلکی پھلکی دولہن نہیں اٹھ سکتی ؟ "

ایک ایک سے لپٹ لپٹ کر زکیہ روتی رہی ـــــ اور کاجل آنسوؤں کے ساتھ بہتا رہا ـــــ

بسم اللہ پڑھ کر، دولہا میاں نے دولہن کو اٹھایا اور پھول جیسی ہلکی گٹھری کو بگھی میں لے جا کر بٹھا دیا — دولہن کے بڑے بھائی آئے بگھی پر سے صدقہ اتار کر لٹا دیا اور بگھی کی باٹ سے منہ مل مل رونے لگے۔

ڈھول تاشے ڈھما ڈھم پٹنے لگے اور گاڑیاں حرکت میں آنے لگیں۔

جن گلیوں میں بچپن بیتا کھولی آنکھ جوانی نے
ان گلیوں سے منہ پھیرا ہے سکھیوں کی پٹ رانی نے
بھیا منہ کو مل مل روئیں چھوڑ چلی ماں جائی رے
بابل کیسی رات یہ آئی —

زکیہ کے کانوں میں دور تک آواز آتی رہی اور اس کا جسم ننھی سسکیوں اور ہچکیوں سے کانپتا ہلتا رہا —

اماں بی نے اپنی گاڑی سب سے آگے رکھوائی۔ گھر میں اترتے ہی۔ انھوں نے سب نوکروں کو جمع کر کے، دالان میں پھول بچھوائے، مسند اور تکیہ لگوایا — دولہن کی منہ دکھائی ہونے والی تھی —

دولہن نے گھر میں قدم دیا اور مبارکبادیاں چھڑ گئیں۔ رات کے دو ڈھائی ہو رہے تھے۔ اماں بی نے کہا —

"بھئی جلدی جلدی آکر منہ دیکھو — کیا پہلی رات انہی ہنگاموں میں سو جاتی ہے"

دولہن کے سامنے، روپیوں، اشرفیوں اور ہلکے پھلکے زیوروں کی چھوٹی سی ڈھیر لگ گئی —

سب سے آخر میں اماں بی آئیں ـــــ دولہن کا گھونگھٹ ہٹایا۔ چٹ چٹ بلائیں لیں ـــــ پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور مخمل کی ڈبیا میں سے نتھ نکالتی ہوئی بولیں۔

"بٹیا ہمارے ہاں سدا سہاگ کی نشانی نتھ چڑھتی ہے ـــــ اور اس کی حفاظت تمہارا ابھی فرض ہے ـــــ میں تمہاری ناک میں بھرپور دعاؤں کے ساتھ یہ نتھ پہنا رہی ہوں کہ خدا وہ وقت نہ ڈالے کہ تمہارا سہاگ ختم ہو پڑے ـــــ بٹیا! کسی حالوں اس چڑھاوے کو اپنے سے الگ نہ کرنا۔ یہی تمہارا سہاگ ہے ـــــ" اور اماں بی نے دو ڈھائی تولے کی موٹی سی نتھ ذکیہ کی ناک میں ڈال دی ـــــ اور اس کا ٹکا، کان کے پاس جھومر میں ٹھنسے اٹکا دیا ـــــ

"اسے کبھی اپنے سے الگ نہ ہونے دینا ـــــ یہی تمہارا سہاگ ہے۔"

ذکیہ نے سنا اور اس کا دل کانپ اٹھا ـــــ دو موٹے موٹے آنسوؤں کے قطرے اس کی آنکھوں سے نکلے اور گود میں گر پڑے۔

دولہن کا کمرہ، پھولوں، جھالروں اور مقیش کے تاروں سے جھم جھما رہا تھا ـــــ چھپر کھٹ پر سرخ جھالردار مسہری لگی تھی جس پر بھر وان تارے ٹنکے ہوئے تھے ـــــ ہنڈولے کی تیز تیز روشنی میں، کمرے کی جگمگاہٹ پر نگاہ نہ ٹھہرتی تھی۔

خورشید بیگم آئیں اور سنگھار دان کھول کر دولہن کے سامنے بیٹھ گئیں۔ روتے روتے سارا سنگھار پھیکا پھیکا پڑ گیا تھا ـــــ نئے سرے سے انہوں

نے دلہن کو سنوارا اور پھر ہاتھ پکڑ کر چھپر کھٹ تک لے گئیں ۔۔۔

بٹھا کر گھونگھٹ اٹھایا اور ہنس کر بولیں ۔

" اب دیکھنا یہ ہے صبح تک کیا گت بنتی ہے " ؟

دلہن نے شرما کر اور ہلکے سے مسکرا کر سر جھکا لیا ۔۔۔ اور خورشید بیگم ہنستی ہوئی

دروازے کو باہر سے بند کرتی ہوئی باہر کو نکل گئیں ۔۔۔

دروازہ دھیرے سے چرچرایا اور جوتوں کی ہلکی سی دپ دپ سنائی دی ۔

ذکیہ کا دل دھڑک اٹھا ۔۔۔

پھر دروازہ چرچرایا اور ذکیہ کا دل باہر نکل پڑا ۔۔۔ جھکے جھکے اس

نے کن انکھیوں سے دیکھا ۔۔۔ دولہا میاں دروازہ بند کر کے ، ادھر ہی چھپر کھٹ

کی طرف چلے آرہے تھے ۔۔۔ انہوں نے گھونگھٹ ہٹایا اور یہ ایک طرف ،

کھسک گئی ۔۔۔

" اچھا ۔۔۔ ؛ یہ شرم ۔۔ " ؛

انہوں نے ہاتھ پکڑ لیا اور ذکیہ دہری ہوگئی ۔۔۔ انہوں نے گھونگھٹ

اٹھا کے منہ اونچا کر دیا ۔۔۔

" اب کدھر گیا جناب وہ رونا دھونا " ؛

ذکیہ کی آنکھیں بند تھیں ۔۔۔ ہلکی سی ہنسی اس کے منہ پر بکھر گئی ۔

اس نے گھٹنوں میں اپنا منہ چھپا لیا ۔۔۔ دولہا میاں نے ڈھٹائی سے

منہ اونچا کیا تو ہتھیلیاں کام آگئیں ۔۔۔

" بڑے خوبصورت ، ہاتھ ہیں واللہ ۔۔۔ ان ہاتھوں سے پان ملے گا

ہمیں ـــــ اوہ کنگن پہنانا تو یاد ہی نہ رہا تھا ۔ پھر تو دور غصہ پاڑ ہائیں گے یہ صندلی بازو ؎

اب کی بار ذکیہ نے بڑی ادا سے آنکھوں کے گوشوں سے انہیں دیکھا ۔ دولہے میاں کا جی لوٹ لوٹ ہو گیا ـــ

"اس تیز روشنی سے تو بھئی اپنی آنکھیں چکنے لگیں" انہوں نے لیمپ کی بتی بالکل کم کر دی ـــ اور معنی خیز انداز میں ہلکے سے مسکرانے لگے ۔

ذکیہ کو بری طرح پسینہ آگیا ـــ

صبح سات آٹھ بجے ہوں گے کہ سسرال سے ساری سالیاں آگئیں ۔ دروازے پر دھپا دھپ ہونے لگی ـــ قدیر میاں نے مسکراتے ہوئے دروازہ کھولا ۔

رقیہ ماں ، قدیر میاں سے عمر میں بڑی تھیں ـــ بھاوج کا منہ دیکھ کر بولیں ـــ

"کیسی گذری رات ؟"

ذکیہ نے منہ نیچا کر لیا ۔ آنکھیں تو نیند بھری تھیں ہی ۔

" اوہ ہوں ـــ آنے والوں سے شرم نہ آئی رات بھر بھی سارے ہنگامے کر ڈالے ۔ بس ہی سے شرمانا رہ گیا ہے تمہیں "

اماں بی سامنے سے گذریں تو دیکھا دلہن کا کمرہ کھل چکا ہے اور دلہن کی جان پہ جھونڑ ہو رہی ہے ـــ بڑی خوش اور مطمئن تھیں اماں بی ۔ اکلوتے بیٹے تھے قدیر میاں ۔ رقیہ ماں کب کی اٹھ چکی تھی ۔ گوری ماں کا

کیا تھا ہوا ہوا ایا کام تھا سمجھو۔

آج کل میں اس کو جانا ہی تھا ــــ بیٹے کا گھر لیجانے کا بڑا ارمان جی کو تھا جو پورا ہوا۔

خوشی خوشی بہو کے کمرے میں آکر جھانکا۔

"دوری شاباش ہے تم کو ــــ گھیرے میں لئے بیٹھی ہیں سب کی سب کوئی تو حمام کے لئے پانی گرم کرواتا۔"

خورشید بیگم آئیں اور آتے ہی چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔

"کیوں بھئی کچھ اٹھایا سُکھ ہوئی یا ایسے تہا بیت گئی رات۔"

رقیہ ماں نے ہنس کر کہا ــ "یہ تو آپ دولہن کی بجائے ان مسلے ہوئے پھولوں اور بے ترتیب بستر سے ہی پوچھ لیجئے۔"

ذکیہ کی آنکھوں میں شرم کے ڈورے اور گہرے ہوگئے۔

دلہن کی ساتھ والی نے مصالح جیسے اور ابٹن ملے جاکر حمام میں رکھ دیئے اور سلور کے کنگال میں گرم پانی لگا دیا۔ ماحول کی مناسبت سے میرا شنو نے لے چھیڑ دی ــ

جگتے جگتے ہی گذرتی رین سکھی ری
ہائے سجنا کے بھو گے نین سکھی ری

بڑی نند نے تھا وج کو سنوارا بنایا ــــ ناشتے کے لئے دسترخوان پر بھائی بھاوج آتے تھے کہ اماں بی نے ہنس کر کہا ــــ

"رفتاں ــــ پہلے نوالہ مت اٹھانے دے۔ وعدہ لے لے کہ

بیٹی ہوئی تو تیرے گھر دیں گے۔" رقیہ ماں کی گود میں اللہ رکھے دو دو بیٹے تھے۔

رقیہ بی ہنستی ہوئی جا کر کھڑی ہوئی۔ بڑے بیٹے کو گود میں لے لیا۔

"بول رے ماموں جان سے۔ بیٹی ہوئی تو میں کروں گا۔" وہ ہنس کر بولا۔" ہاں ماموں دان میں تلون نا آپ کی بیٹی۔" ماموں نے لپک کر گود میں اٹھا لیا۔

"ارے تو نان کون کہتا ہے۔ بیٹی ہی لے گا نا۔"؟

چوتھی کی وہ طور رچی کہ توبہ ہی بھلی۔ سفید سفید فرش اور چاندنیوں کا بھرتہ بن گیا۔ جاتے جاتے سمرالی نیوتہ دے گئے تھے کہ شام میں چوتھی کا کھانا ہے اور چوتھی کھیلنے کی دعوت بھی۔

منڈی کی ساری بھاجی ترکاری، پیاز، بینگن، آلو، ہرا چیا اور بوٹے اماں بی نے گھر منگوا لیا۔ شام کو صمد میاں نے کو جانا ٹھہرا تو کئی گاڑیاں سامنے سبزی ہری ترکاری سے لدی چلی جا رہی تھیں۔ تاکہ خوب دھوم سے چوتھی کھیلی جا سکے۔

چوتھی کا مزہ آ گیا۔ جدھر دیکھو ادھر سبزی ترکاری بکھری ہوئی تھی۔ صمد صنوں کے بھاری کامدار تو لوان جوڑوں کی ہیبت بدل گئی تھی ہرے، کالے دیکھتے ہی دھبے۔

چوتھی کی رسم ختم ہوئی تو دلہن والیوں نے دونوں طرف کی میراثنوں کو لگا دیا کہ صمد صنوں کو گالیاں دیں۔

صمد حسنوں پر وہ گالیاں پڑی ہیں کہ منہ چھپائے بن نہ پڑتی تھی۔ میراثنوں کی چاندی ہو رہی تھی ۔۔۔ ایک ایک گالی پانچ پانچ روپے میں چھوٹ رہی تھی ۔۔۔

انوری بیگم نے دو طرفہ رشتے سے فائدہ اٹھایا۔ اماں بی اور ان کا نند بھاوج کا رشتہ تو آتا ہی تھا ۔۔۔ اب صمد حسن بھی تھیں ۔۔۔ انوری بیگم نے خوب ٹھٹھا کیا اور چتیلی میراثن سے گندی گالی دلوائی۔ جان جہیں آآکر ٹوٹتی تھی ۔

چینے پڑے تھوڑے
صمد حسن کو لگے گھوڑے

اماں بی نے پانچ، دس، بیس، تیس، کہیں جا کر چالیس روپے دیئے تب گالی چھوٹی ۔۔۔

☆

(۳)

چاندنی

چوتھی چالے، جاگیاں نہاریاں سب ختم ہوگئیں ۔۔۔ ڈیڑھ دو ماہ گذر گیا ۔۔۔ امّاں بی دولہن کو آنکھوں پر بٹھائیں ۔۔۔ ایسی من موہنی صورت تھی ذکیہ ۔۔۔ جیسے نازک نازک کلی ۔۔۔ امّاں بی کی آنکھوں کا تارا۔ اور یوں دیکھو تو کس کی آنکھوں کا تارا نہ تھی ۔۔۔ ؟ گھر بھر فدا تھا۔ قدیر میاں کا دل تو اس کا دیوانہ تھا ۔۔۔ دھوپ چڑھے کمرے کا دروازہ کھلتا اور سرِ شام ہی بند ہو جاتا ۔۔۔ ذکیہ شرما شرما کر بولتی ۔

"کیوں جی آپ کو شرم نہیں آتی ہے ؟

"کاہے کی شرم بھلا" ؟

"یہی بگڑے دھندے کرتے ہوئے" ؟

اس سوال کا تو ایک ہی جواب قدیر میاں کو یاد تھا۔

رمضان کی عید شادی کے تین ہی ماہ بعد آگئی ــــ نیا نیا وقت تھا۔ نئی نویلی دولہن ــــ اماں بی نے جی بھر کے ارمان نکالے۔ دولہا دولہن کو عیدی دینی پڑی اور بڑے ہنگامے سے۔

رات کے پانچ بجے سے ہی گلیوں میں فقیروں کا آنا جانا شروع ہو گیا ــــ اور ان کی آوازوں پہ، عید کی خوشیاں منانے والے منہ اندھیرے ہی اٹھ کر بیٹھ گئے ــــ

چڑھاوے اور جہیز میں اتنی چوڑیاں ملی تھیں کہ باقاعدہ دوکان سی لگ گئی تھی ــــ مگر اماں بی کا چونچلا! صبح ہی سویرے مہندی چھڑوائی رات سب لڑکیوں سہاگنوں کے مہندی لگی تھی ــــ حویلی کے گھیرے پر مہندی کی باڑھ تھی ــــ گھر کی مہندی توڑی اور پیالے بھر بھر کے پیسی گئی۔ نوکرانیوں نے بھی لگائی بیبیوں نے تو خیر لگا ئی ہی ــــ یہاں تو ذرا کوئی کام ہوا کہ جان سے اوپر گیا ــــ وہ دھوم مچتی کہ حد نہیں ــــ

نند نے مہندی چھڑاتے چھڑاتے بھابی سے چھیڑ کی "کیوں بھابی پاشا۔ رات تو بھائی میاں کی جیت رہی ہوگی" ذکیہ شرما گئی ــــ قدیر میاں نے رات بھر وہ اودھم مچایا تھا کہ ذکیہ روٹھ روٹھ گئی ــــ کرتی کیا بے چاری ہاتھ تو مہندی سے رچے تھے اور ان کی من مانی ہو رہی تھی ــــ ذکیہ ہنس کر بولی ــــ

"جیت تو کیا رہتی جناب کی ۔ ہاں یہ ضرور کہہ رہے تھے کہ تم روز مہندی لگایا کرو تو اچھا ہے"

نند بی سجھا وجیں ہنستی ہنستی دوہری ہوگئیں ۔ اماں بی نے ہنستے دیکھا تو لاڈ میں پھولیں ۔

"اے ہنسی مذاق بعد کو ہوتا رہے گا چوڑی والی کب کی آئی بیٹھی ہے پہلے بانکیں چڑھوا لو ۔"

صبح اندھیرے سے ہی ادھر چوڑی والی آئی بیٹھی تھی ۔۔۔ پارہ بھر رنگا رنگ کی چوڑیاں ۔۔۔ ان پر طلائی کام ۔۔۔ ٹوکرا جھم جھما رہا تھا ۔

پکے زیور کی کیا کمی تھی مگر اماں بی نے اپنے پاس سے سونے کی بھروائی حاشیے نکال کر دیئے ۔ بیچ میں طلائی کام کی ہری ہری چوڑیاں لگوا کر آس پاس حاشیے لگوائے ۔ دولہن کا تو نام ہوا بے چاری کا ۔۔۔ اس کے طفیل میں سبھی نے نئی نئی نیلی پیلی ہری ہری لال گلابی بانکیں پہن لیں ۔

بی اماں نے بڑے جتن سے دنوں قبل ایک جوڑا اپنی بہو کے نام سے اٹھا رکھا تھا ۔۔۔ کمخواب کا چست پاجامہ ۔۔۔ تاش کا بھر کیلا کھڑا سنہری دوپٹہ اور ستارہ بانے کی کرتی چولی ۔۔۔ اتنے پر بس نہ کیا بلکہ پورے جوڑے پر جگر مگر کرتی کامدانی بھی بنوائی ۔۔۔ اس کے ساتھ کا گہنا بھی سنہرا ہی تھا ۔ مغلانی بی نے کہا بھی ۔۔۔

"اے بیوی میں کہوں ، یہ کامدانی کا کون تک ہے ۔ موا جسم چھیں جائے گا ۔۔۔ پہلے ہی تو ایسا لیکے دار جوڑا ہے ۔"

"اے بی نوراں ، دلہن تو چڑھا کے نہیں رہے گی ۔۔۔ اور جسم چھلنے کی بات تو جانے دو ۔۔۔ ہاں ! اب مرد والی جوڑ رہے ۔"

امّاں بی ہنس پڑی تھیں۔

امّاں بی عیدیں، اور خصوصیت سے رمضان کی عید تو بڑے زور شور سے مناتیں ۔۔۔

بی امّاں نے دلہن کو نہلوایا ۔۔۔ اپنے پاس کا جوڑا دیا ۔۔۔ ساری لڑکیاں دلہن بنی پھر رہی تھیں ۔۔۔ باورچی خانے میں بڑے دیگ میں شیر خورمے کے لیے دودھ اوٹ رہا تھا ۔۔۔ سویاں تلی جا رہی تھیں ۔۔۔ باہر خانساماں بڑے بڑے بگونوں میں بریانی، قورمے اور سالن بگھار رہے تھے۔

اماں بی کو گانے بجانے سے بڑی رغبت تھی ۔۔۔ کوئی کار ہو کوئی کاج ہو میراثنوں کو سب سے پہلے بلایا جاتا۔ بڑے سرکار کو اتنی ساری باتوں سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ جو بڑی بیگم کرتی ہیں وہی اچھا ہے ۔۔۔

عید کے دن پر میراثن صبح سے ہی آکر جم جاتیں اور اونچے اونچے سروں میں مبارکبادیاں گانا شروع کر دیتیں ۔۔۔

مبارک مبارک یہ خوشیاں مبارک
یہ عید کے دن کی رنگین گھڑیاں مبارک

ادھر نمازی، عید کی نماز سے لوٹتے اور ادھر دسترخوان سجا بنا ہوتا۔ بڑے دالان میں اس کھمبے سے لے کر اس کھمبے تک دسترخوان بچھتا ۔۔۔ شاید ہی کم کیا لوگ ہوتے ہوں گے ۔۔۔ اور امّاں بی کا تو یہ حال تھا کہ گاؤں میں جتنے بھی رشتے دار تھے عید کے دن انہی کے دسترخوان پر ہوتے ۔۔۔ پہلے تو گھر والے ہی کیا کم ہوتے کہ مہمان بھی آ جاتے ۔۔۔ تو لوگوں کی بڑی سی پنگت

دستر خوان پر بیٹھتی تو اس سرے سے اس سرے تک پتہ بھی نہ چلتا کہ کوئی کونی بیٹھا ہے۔ اماں بی کا دل خوش ہو جاتا۔

بھائی بہن، مرد، بچے، ماموں، خالو بھی لوٹے اور سب نے ایک دوسرے کو جھک جھک کر سلام کرنے شروع کئے۔ عیدی مانگی گئی۔ اماں بی نے سب کو عیدی دی۔

دستر خوان چنا ہوا تھا۔ بڑے سرکار بھی آج سبھی کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ورنہ ان کا، اور ان کے مصاحبین کا دستر خوان الگ ہی اماں لگتا۔ یہ بات نہیں کہ چال چلن میں کوئی برائی تھی اس لئے باہر براج رہتے۔ انہیں تو ہمیشہ سے یہی عادت تھی غریبی کے دنوں میں بھی یہی حال تھا کہ جب تک دو تین چار آدمیوں کے میل میں کھانا نہ کھاتے دل کو نہ لگتا۔ چاہے وہ دال روٹی کیوں نہ ہو۔ گر سب کے ساتھ۔ دستر خوان پر تنہا تو ان سے بیٹھا ہی نہ جاتا۔

"اپنے دستر خوان پر دوستوں کو دیکھ کر میرا دل بڑھ جاتا ہے" جس کا دل بڑا ہوتا ہے خدا اس کا دستر خوان بھی بڑا رکھتا ہے۔ یہی برکت تھی کہ سو کو کھلا کر کھاتے تب بھی خدا کی نہال رکھے۔

کیسی اچھی گذر رہی تھی کہ راجہ بنے ہوئے تھے۔ حالانکہ ان کے ماں باپ ایسے کوئی بڑے بھاری نواب، راجہ کچھ نہ تھے معمولی سی کھیتی باڑی تھی اور گھر کے چند جانور۔ کہیں بکھرے کے کام آتے۔ مگر باپ کے مرنے کے بعد جب ان کے حصے بکھرے ہوئے تو ان کے ہاتھوں پڑ کر مٹی بھی سونا ہو گئی۔ اسی چھوٹی سی کھیتی باڑی نے انہیں گاؤں کا بڑا آدمی بنا دیا۔ اور سخی ایسے کہ سدا ہاتھ کھلا ہی رہتا کسی قسم کا ڈر نہ لگا۔ جیسا نہ تھا کہ پیٹ میں بیٹا ہے یا بیٹی ہے رنڈی رہتا ہے یا موت ہے...... جیسا وقت آتا ہے۔ آنے دو...... اوپر والا تو ساتھ ہے......

یہ دل کی نیکی اور بھروسہ ہی ایسی چیز تھی کہ آج گاؤں بھر میں بڑے سرکار کے نام سے باجتے تھے۔

بقرعید کے آتے آتے ذکیہ بی کا پیٹ ابھر گیا ——— مغلانی بی کا کہنا تھا ———

" اوئی میں تو کہتی ہوں دلہن پاشا کو جلوے کی رات کو ہی حمل ٹک گیا"

کیونکہ دو ماہ بعد سے ہی ان کی پچھاڑی ایسی وزنی دکھائی دیتی تھی جیسے کچھ باندھ کے لٹکا رکھا ہے ——— انہوں نے اماں بی سے کہا بھی تھا تو یہ بولیں۔

" اے کچھ بات بھی ہو ——— کیا ہم نے بچے پیدا نہیں کئے ؟ جہیز کے جوڑے تو ہیں ہی ——— چڑھاوے کے جوڑے بھی مو کے دہی ہیں بھاری بھر کم تو لوان ——— ایسے نہ چلے تو کرے بھی کیا بے چاری "

" اب آپ کے سامنے منہ کیا چلاؤں بیوی مگر میری آنکھ تو دھوکا نہیں کھا سکتی "

انہی دنوں ذکیہ بی کو زوردار متلی اٹھی تو اماں بی کو پھر بھی خیال نہ ہوا کہ حمل ہو گا ——— بولیں۔

" دولہن پاشا تمہارا کمرہ ادھر اندر کی طرف ہے ہوتی گرمی سے جی اوبک جاتا ہو گا ——— میں معمار بلوا کر کوئی کھڑکی کھلوا دوں گی "

باغیچے کی طرف سے ایک کھڑکی بھی کھلوا دی گئی ——— مگر جب بار بار متلی کے ساتھ قے بھی ہونے لگی تو اماں بی کا منہ خوشی سے کھل اٹھا۔

" دولہن پاشا کو تو پانی تک نہیں پچ رہا ہے " انہوں نے خوشی خوشی

جھلانی بی کو سنا یا۔

"اب کہنے نا بیوی جی کہ کیا ہم نے بچے پیدا نہیں کئے"؟

"دو ہی تمہارے جیسے بارہ چودہ نہیں جنے — لے دے کے تین ہی تین تو ہوئے" اماں بی ہنس کر بولیں۔

"تو پھر میری بات مانی کیوں نہ تھی"۔

اب اماں بی کو بڑا خیال رہنے لگا کہ پہلا پہلا معاملہ ہے کوئی ویسی بات نہ ہو جائے۔ دلہن پاشا تھیں تو چنبیلی کی سی نازک۔ ہوا کا ذرا سا جھونکا بھی پریشانی کا باعث بن جاتا تھا۔

انوری بیگم کو اس خوش بندی کا پتہ چلا تو پھول اٹھیں۔ اللہ جیتا بھی دیتا ہے بیٹی بھی — بیٹی کا ہونا ہزار خوشی کی بات ہو مگر ہزار دوسرے بھی تو جان کو لگے رہتے ہیں۔ ڈھنگ سے تربیت، پالن پوسن ہوئی بھی تو کوئی خاص بات نہ ہوئی — اصل چیز ہے منگنی بیاہ — قسمت کا حال تو قسمت بنانے والا ہی جانتا ہے — ایسی ویسی جگہ پڑ گئی اور نصیب پھٹے پڑ گئے تو ماں باپ کو عمر بھر کی جھیکنی لگ گئی۔

چلو قسمت اچھی ہو بھی گئی — میاں کے سن تھا، بھی کئی تو اولاد کا جھیلنا بھی کچھ کم نہیں رہتا — یہ تو اللہ کی دین ہے۔ گود بھری بھری نہ بھری — ہاتھ کی بات تھوڑی ہی ہے۔ اور بہو بانجھ ہی نکلی تو نسل چلے گی بھی کیسے! مرضی نہ ہو تب بھی دوسری تو کرنی ہی پڑے گی۔ ؟

چلو دوسری سوت، چھاتی پر مونگ دلنے آ گئی — اب بیٹھے رہو عمر بھر

آنسو بہاتے ہوئے ــــ!

انوری بیگم خوشی سے پھولوں نہ سمائیں کہ خدا نے مہربانی کی اور بیٹی کی کوکھ ہری بھری رکھی ــــ

بڑی خوش نصیب تھیں دولہن پاشہ ــــ ماں کا گھر بھی خیر سے کھاتے پیتوں سے بڑھ کر تھا اور یہاں سسرال میں تو پوچھنا ہی کیا تھا۔ اِدھر اُدھر دونوں طرف سے دبے دبے تیاریاں ہونے لگیں ــــ یوں کھلے خزانے بھی تیاری ہوتی تو کون ہاتھ روکنے چلا تھا۔ مگر گود ہری کرنا تو اللہ کا کام ہے ــــ پورے نو مہینے بیتتے ہوتے ہیں ــــ اور پل پل بہ اللہ آمین کا سہارا لینا ہوتا ہے ــــ کبھی اونچ نیچ ہوگئی اور پیٹ گر گیا تو سننے والیوں کے لئے تو معمولی سی بات ہے مگر بیتنے والی کے دل پر کیا کیا نہیں بیت جاتی ــــ؟

انوری بیگم کا تو ایسا ہی حمل جاتا رہا تھا ــــ شروع دنوں سے تیاری ہو رہی تھی ــــ بیچ دنوں میں آکر اچھا خاصہ پانچ مہینے کا حمل گر گیا ــــ منہ سے تو کیا بولتیں کہ بے شرم پکاری جاتیں مگر بیٹھی چھپنی سے ننھے ننھے کرتے ٹوپیاں، جھبر دیکھتیں اور دل۔

ایک تو یونہی حمل گر جانے سے خون ضائع ہوا اس کی کمزوری۔ دوسرے ہر وقت کا رونا دھونا ــــ ہفتوں ہی ہفتوں میں وہ صورت نکل آئی کہ پہچاننا بھی مشکل تھا ــــ دوسرا حمل جلد ہی ٹھہر گیا اور جب ان کو اپنا آنگا پیچھا بھاری محسوس ہونے لگا تو پھر آپی آپ زندگی کی

طرف لوٹنے لگیں۔

اسی مارے دلہن پاشا سے لپا چھپ سیون یہ وردن شروع ہوگئی ——

آنے جانے پر کوئی روک ٹوک تھی نہ پابندی —— دلہن پاشا کا جب جی چاہتا ماں کے ہاں جاتیں، جب جی چاہتا ساس کے ہاں آجاتیں۔ ساس نے ماں کی سی سرپرستی دی —— دلہن پاشا نے کبھی تو محسوس نہ کیا کہ اپنا میکہ چھوڑ سسرال آبسی تھیں —— وہی ماں کی سی محبت، وہی چاہت، رقیہ ماں تو اپنے گھر کی تھیں —— تو اسی ماں بھی بہنوں کی سی محبت رکھتی —— آگے پیچھے کبھی برائی نہ طعنے مہنے —— اور قدیر میاں تو داری فدا تھے ——

دلہن پاشا کا اب ان گنا مہینہ چل رہا تھا۔ چلتیں تو سانس چڑھ جاتا —— بیٹھتیں تو اچھی طرح بیٹھا نہ جاتا —— بس لڑھکی جاتیں۔ نیند اس غضب کی تھی کہ اللہ ہی بھلی —— بڑی بوڑھیاں بولتی تھیں۔
"بیٹی ہوگی —— ساری نیند اسی کی ہے نا ؟"

اور ادھر پیٹ کا ابھار وہ زوردار تھا کہ معلوم نہیں ہے کہ ماما کرسین تک، سبھی یہی کہتیں —— کہ ہر بڑے ہاتھ پاؤں کا چوڑی پیٹھ کا بیٹا ہی ہوگا ——"

اماں بی بولتیں —— مجھے نہ بیٹے کی فکر ہے نہ بیٹی کی —— بس یہ فکر ہے کہ اللہ جو کچھ بھی دے دے ہنسی خوشی اور دلہن کی سلامتی کے

346-4
7/14
242258

ساتھ دے دے ــــ؟

ان گنا مہینہ ٹلا تو لزین کی بھید شروع ہو گئی۔ اب تو قدم قدم پر بسم اللہ پڑھی جانے لگی۔

"بیٹھتی ہے تو پاؤں اونچا نیچا تو نہیں ہو جاتا ــــ؟

"بیٹھتی ہے تو اکاری دب تو نہیں جاتی ــ"؟

"دو دو سیڑھیاں ایک ساتھ تو نہیں پھلانگ جاتی ــ"؟

اور یہ سب کچھ تو ہوتا ہی ہے ــــ بھلا لزین مہینے کی چھاؤں پڑ کر کس کام کی آپے میں رہ سکتا ہے...؟ ہر دم زچگی کا ڈبکا لگا رہتا ہے۔

آج اس دن بڑے چچا کے ہاں کی دعوت آئی ہوئی تھی ــــ پورا گھر مدعو تھا...... ذکیہ میکے تو تھی ــــ چچا نے بطور خاص ذکیہ بی بی کو بلوایا تھا...... اتنا بڑا کا بڑا پیٹ کر اترتی ہو رہی تھیں۔ ماں نے دلیوار سے کہا کبھی بھیجا۔

"ذرا بورے ہو گئے ہیں میاں ــــ یہ ہنگامہ رچانا بھی ضرور تھا کیا ــــ؟"

"آپ تو ایسے بات کرتی ہیں بھاوج مان کہ وقت پڑا تو جیسے میرے ہاں انتظام ہو ہی نہ سکے گا ــــ"

چار بجتے بجتے سب کے سب چچا میاں کے ہاں پہونچ گئے۔ ذکیہ بی بی بھاری سلمے دار جوڑا، موتیوں کا گہنا، ہلکا پھلکا سنگار کئے تھکی تھکی سی لگ رہی تھیں مگر بڑی پیاری لگ رہی تھیں کہ ہر کوئی رک کر

وہ گھوڑی دیکھنے کھڑا ہو جاتا تھا۔ وہ بیچاری اپنی جگہ جھینپ جاتیں۔ چچا میاں نے محبت سے گلے لگایا۔ حال چال پوچھا مگر وہ چپ ہی رہیں ——

چھمی بی کے کھیتوں کی بوائی۔ ایک پرانی زمین میں ملا دینے کے بعد ہوتی تھی —— اس طرح زمین زیادہ زرخیز تو ہوتی مگر فصل ذرا دیر کو کھڑی ہوتی —— اب گھر کی امرائی کے آم آئے ہوتے تھے۔ آموں کے بڑے رسیا تھے —— دور دور سے اچھی گٹھلیاں منگوائی تھیں —— ایسے بڑے وزنی آم کہ سیر سیر کا ایک ایک —— اسی سلسلے میں یہ دعوت تھی ——

زکیہ بی بی نے دو ایک ہی قاشیں کھائی ہوں گی کہ کڑوے کڑوے منہ بنانے شروع کر دیئے —— اب ایسا بھی نہیں کہہ سکتے کہ آموں کی گرمی سے درد ہونے لگنے شروع ہو گئے —— آخر نو مہینے تو ہو ہی رہے تھے۔ کسی بھی لمحے اللہ کا فضل ہو سکتا تھا —— اماں سے بولتے ہوئے شرم آئی تو چھوٹی پھوپھی سے جا کہا —— پہلے ہلکے ہلکے درد اٹھ رہے تھے پریشانی یا گھبراہٹ کی بات ہی کیا تھی مگر تھی تو دولہن زچہ ہی۔ سارے میں بھاگ دوڑ مچ گئی —— دربان کو دوڑایا گیا —— اس نے جا کے سسرال میں خبر کی ——

"دولہن بی بی کو درد لگے ہیں"

بی اماں کو کہاں چین پڑتا —— گھبرا گھبرا کے پوچھنا۔

شروع کیا۔ وہ اُلو کی دم کیا بولتا ۔۔۔؟ اُسے تو بس اتنا ہی سندیسہ دے کر بھجوایا گیا تھا۔

اماں بی لپکتی ہوئی بڑے سرکار کے پاس پہنچیں۔

"دولہن بہو کو درد لگے ہیں اور آپ یہاں ہیں کہ مزے سے حقہ گڑگڑاتے بیٹھے ہیں ۔۔۔؟"

"ہائیں ۔۔۔؟" کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ "مجھے تو خبر بھی نہیں" منشی جی کو بھیج کر اسی لمحے گاؤں کی بوڑھی دائی مائی رحیمن کو بلوا بھیجا ۔۔۔ بڑی صفائی اور آسانی کے ساتھ جاپ کرتی کہ پتہ بھی نہ چلتا اور مکھن سے بال جیسا بچہ نکل آتا ۔۔۔

اماں بی نے جھٹ گاڑی لگوائی ۔۔۔ ساتھ سنگت والیاں بھی جانے کا کہنے لگیں ۔۔۔

"ارے میں تو جاتی ہوں، تم لوگ آتی رہو ۔ ویسے میرا دل خانے کے چھ خانے ہو رہا ہے ۔ اللہ جانے کیا ۔۔۔ ہی ہو گی۔ خیر کوئی بات نہیں ۔۔۔ مولا اسے ساتھ خوشی آرام کے ۔۔۔ پار لگا دے ۔۔۔ بخاری نیاز دلواؤں گی ۔۔۔"

اماں بی تو دھڑ دھڑ کرتی گاڑی میں بیٹھ چلتی ہوئیں۔ ادھر جانے والوں کا شور شرابہ شروع ہو گیا۔

بھیا میاں کے ہاں ادھر جیسے عید ہو گئی ۔۔۔ اور ۔۔۔ بیگم منہ پھوڑ غصہ تو کیا دکھاتیں ۔۔۔ ہاں ہولے ہولے چڑ مزید رہی تھیں ۔۔۔

"اے بہن میں نے آگے ہی کہا بھی کہ کہا ایسے میں ہی دعوت دینا ضرور تھا ــــ بولنے لگے ــ" میں بچا نہیں ہوں کیا۔" میں کہتی ہوں اب چالیس دن میں بار بن کے انہی کے ہاں پڑی رہوں گی کیا۔"

اماں بی نے صلاح دی کہ اگر درد ہلکے ہو رہے ہوں تو ابھی بھی گھر یلو ن والی ڈمنی میں ڈال کر گھر ہی لے چلیں ــــ چچا میاں کے کانوں تک یہ بات گئی تو انہوں نے ادھر منہ پھُلا لیا ــ

" مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں اتنا غیر گنا یا جاؤں گا کہ درد کھاتی بھتیجی کو پلٹنا پڑے۔"

اوری بیگم تو بے چاری کیا کہتیں ــــ دیور بھاوج کا رشتہ تھا ــــ سسرال کی بات تھی۔ کسی کا دبا لیا نہیں کھاتی تھیں مگر انسان کو رخ دیکھ کر بات کرنی ہی پڑتی ہے ــ چپ رہ گئیں ــــ گو منہ بہت سل سلایا" کہ میاں بھتیجی کو پلٹانا تو بعد کی بات ہے۔ ایسے پورے دنوں میں بلانے کی ضرورت ہی کیا پڑی تھی ـــ؟"

اماں بی بولیں ــ" میاں۔ جی کیوں میلا کرتے ہو؟ تم خود سوچو پہلا کار ہے پہلی زچگی ــــ اس بے چاری نے بھی دل میں کچھ ارمان پالے ہی ہوں گے کہ بیٹی کے دن آئیں گے تو یہ کروں گی وہ کروں گی ــ تم خود یوں ایسے ناک سے جھتاتے ہو؟ میری مانو تو جانے ہی دو ــ بُرا اس کی بات نہیں ــــ یوں ہی تمہیں ارمان ہے تو دوسری بار اللہ مہربانی کریگا تو تمہی نے زچگی جا یہ کرنا ـ"

کہیں رات کے گیارہ بجتے بجتے ذکیہ بی بی کے دردوں میں تیزی ہوئی ــــ دائی اندر ہے ــــ اماں پاس کھڑی ہیں ــــ ساس دعائیں پڑھتی بیٹھی ہیں اور ماں کی ہر چیخ ہے کہ آسمان سے ٹکرا رہی ہے ۔ اور باہر شور مچ رہا ہے ــــ

اماں بی کو ایسے میں بھی میراثن نہ بھولیں ۔ رات کے گیارہ بجے بلاوا گیا تو ان کے ٹھاٹ کیا پوچھنا تھا ۔ کوئی تو رات بھر کے پانچ روپے بھی نہ دے اور یہاں آؤ بھگت ہوتی دیکھی تو بڑے نخروں کے ساتھ پچاس روپے کا مطالبہ کیا ــــ اماں بی کو بھلا کیا جھکنا تھا ــــ کبھی گھٹاتے پچاس گنوا ڈالے ۔

" جان کی سلامتی کے ساتھ اللہ ننھی منی سی جان دے دے ایسے ایسے ہزاروں لٹا پھینکوں گی ــــ پچاس کی کیا حقیقت ہوتی ہے "

صحن کے باہر بیبیوں کی رت جگا ہو رہی تھی ــــ انوری بیگم کی بیٹی اور بڑے سرکار کی بہو کا زچہ خانہ ــــ اور وہ بھی پہلا زچہ خانہ ہو رہا تھا ۔ بھلا کیا ٹھاٹ باٹ پوچھنے تھے ۔ رول مچ رہی تھی ۔ میراثنیں ہانڈیوں تلے ڈھول دابے بیٹھی تھیں کہ کب کب بچہ رونے کی آواز آئے اور ہم ڈھول پیٹنے شروع کر دیں ۔

ہارے اللہ اللہ کر کے رات کے ڈیڑھ دو بجے ننھی منی سی آوازیں آئیں ــــ ہواں ۔ ہواں ۔

حفلانی بی بیں سے بولیں ــــ ارئی بیٹی نے گھر سنسان کیا ہے ۔

سنتی ہو کیسی آواز ہے ؟"

حفلانی بی کا کہنا تھا کہ بیٹی کے پیدا ہوتے ہی. بجائے خوشی کے گھر پر اداسی آجاتی ہے —— جدائی کی حدیں بچپلا نگنا تو دور رہا۔ اپنی ننھی ننھی چیخوں سے ہی یہ جتاتی آتی ہے —— مجھے جانا ہے. مجھے جانا ہے"

"اے بی۔ بھلا جاتی ہوئی لڑکی کیا گھر روشن کرے گی ؟"

ابھی ان کے منہ کی بات منہ میں ہی تھی کہ انوری بیگم نے دروازے سے جھانک کر سنا دیا ——

"بیٹی ہوئی ہے بھیو! اللہ سلامتی کرے اور نصیبہ اچھا کرے "

خوشی خوشی اماں بی بھی ان کے پیچھے ہی لپکی آئیں۔ " وزیرن —— پتلی۔ مبارکبادی چھیڑ دو —— ہمیں تو کیا بیٹا اور کیا بیٹی —— سب ایک سے ہیں۔ کیا بیٹا یوں ہی آسانی سے جنی جاتی ہے ؟ ارے نو مہینے اسے بھی رکھنا پڑتا ہے۔ وہ بھی دردوں کے ساتھ دنیا میں آتی ہے "!

بڑے سرکار، رحیم بیگ، اور مصاحبین دوست احباب رشتہ دار سبھی باہر جمع تھے —— قدیر میاں بے تابی چھپائے منتظر تھے کہ کب اندر جانا ہوتا ہے۔

باہر سینی میں سونے کی چوڑیاں رکھ کر بھجوائی گئیں —— پتہ لگ گیا کہ چوڑیاں پہننے والی پیدا ہوئی ہے اور جو صافہ بھجوایا جاتا تو صاف ظاہر تھا کہ گھوڑا چڑھنے والا پہت دنیا میں آیا ہے —— !

ادھر حویلی میں خبر گئی نہیں کہ رات کی پرواہ کئے بغیر دھوم دھام

شروع ہو گئی ـــــ گاڑیاں آنے لگیں اور بھاگ دوڑ پڑ گئی۔ لڑکیاں بالیاں، بڑی بوڑھیاں، بچے والیاں، مرد، بوڑھے، نوکر سبھی کے سبھی الٹ پڑے ـــ بھلا اماں بی کے گھر پوتی برا جے اور سب یونہی منہ دیکھتے رہیں؟ یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی۔

اماں بی تھیں کہ آسمانوں پہ چل رہی تھیں۔ سب تو اپنی اپنی جگہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اماں بی اس بات پر منہ پھلائے بیٹھی ہوں گی کہ بیٹا نہ ہو کر بیٹی ہو گئی ـــــ ہوئی بھی تو کس کام کی ـــ ؛ چار دن کھیلے گی کودے گی اور پھر گھر کو سنسان ویران کر کے دوسرے کے گھر کی راہ لے گی۔ مگر اماں بی تو یوں خوش تھیں جیسے بڑے کماؤ بیٹے نے جنم لیا ہو! مبارک سلامت کی دھوم مچ گئی ـــ جو آتا اماں بی کے پاس جاتا۔ مبارکبادی دیتا ـــ صاحبزادی کی سلامتی کی دعا مانگتا ـــ اماں بی خوشی خوشی بھلائی دعائیں سمیٹا رہی تھیں ـــ

قدیر میاں شرماتے جھینپتے آئے اور بی بی کے بازو بیٹھ گئے۔ منہ سے کچھ بول نہ پا رہے تھے مگر خوشی تھی کہ منہ سے پھوٹی پڑتی تھی ـــ ادھر ادھر آس پاس عورتوں ہی عورتوں کا جمگھٹا تھا ـــ تھے تو مرد۔ مگر پھر بھی کبھی کوئی کہہ اٹھتا ـــ "دولہا ـــ پہلوٹھی کی اولاد دیکھو اور ماں بہنوں کے سامنے بی بی کے بازو برابر جا کر بیٹھ بھی گئے اور پٹا پٹ پیار بھی بچی کے لینے شروع کر دیئے ـــ"

بس اسی ڈر کے مارے بازو بیٹھے مسکراتے رہے اور بچی کو جھک جھک کر

دیکھتے رہے۔

چلنے کو ہوئے تو ہنس کر جھکے اور بی بی کے کان میں کہہ گئے۔

"اپنی چھاتی سے دودھ نہ پلانا بچی کو ۔۔" خود ہی مسکرا کر بولے " مطلب تو سمجھ گئی ہوگی نا ۔۔۔ ہاں ۔۔"! اور ہنستے ہنستے چلے گئے

لاکھ ہنسی سے یہ بات کہی گئی تھی مگر دلہن پاشا تو سنتے ہی حیران سی رہ گئی ۔۔۔ یہ کون تک تھی بھلا؟ نو مہینے تک پیٹ میں رکھا بوجھ لیتے لیتے پھرتی رہیں۔ ٹھنڈا گرم کھانے سے پرہیز کیا ۔۔۔ اچھے برے ذائقے کے لئے اپنے منہ کے مزے تک کا خیال نہ کیا کہ اللہ خیر سے گود بھرے اور پھر ایسے پکے" دردوں سے جنا کہ اپنی جان پر بن بن گئی اور میاں ہیں کہ اپنے عیش کے رونے سنا گئے ۔۔۔

"دودھ نہ پلانا "

اماں بی کو کیا کم سوانگ یاد تھے؟ پر اندری بیگم کی بھی تو پہلی اولاد تھی کہ صاحب اولاد ہوتی؟ ۔۔۔ دوسرے دن اندری بیگم نے باغیچے سے ہر کام ہری ہریالی ۔ مالن سے کہہ کر منگوائی ۔۔۔ گائے کا تازہ تازہ دودھ نکلوایا اور چاندی کے پیالے میں انڈیل ذکیہ بی بی کے پاس لے گئیں۔

دودھ ریت کا حق نند کو لگتا تھا ۔ اماں بی بیٹی سے بولیں ۔۔۔

" چار تو ماں ۔۔۔ دودھ دھلائی کراو ۔ نگ لے ۔" ہریالی دودھ میں ڈبو ڈبو کر نند نے دولہن بھاوج کی چھاتیاں دھوئیں اور بچو بٹی سے بھر گود نیگ لیا۔

مغلانی بی نے جھلا دھلا کر پھول سی بچی کو بازو لٹایا اور نند مذاق سے بولیں ——

"لو دلہن بھابی بسم اللہ کرو اور منہ سے چھاتی لگا دو۔ اللہ بہتی دھار سے دودھ دے ——"

دولہن پاشا چپ رہیں تو یہ ہنسی سے بولیں ——

"میاں کا خیال آ رہا ہوگا نا —— پہلے وہ تو دودھ پی لیں خود بہک —— رہی تھیں —— سنگ مرمر ایسا تو جسم ہے بھابی تمہارا ——"

ذکیہ کو شرم آ گئی ——

مغلانی بی بولیں —— "دولہن بیٹا ہنسی مذاق کرو بعد کر —— پہلے بچی کا منہ تو لگا دو"

ذکیہ بی بی عجیب مشکل میں —— کہیں تو کیا کہیں؟ ادھر میاں کا حکم ایسا اور میاں یہ چونچلے ——؛ مغلانی بی سے دھیرے سے بولیں ——

"درد ہوتا ہے۔ ابھی نہیں"

مغلانی بی ہنسیں "دولہن پاشا —— اسی لئے تو کہتی ہوں کہ جلدی سے منہ لگا دو —— دودھ تھم گیا ہے نا اسی لئے اکڑ گئی ہیں —— بچی دودھ کھینچ لے تو سارا اکڑاؤ آپ ہی آپ غائب ہو جائے"

ذکیہ بی بی کا دل کیسے کیسے چاہ رہا تھا کہ اس ننھی سی کلی کو اپنے کلیجے سے لپٹا لیں اور اپنی چھاتی اس کے منہ میں دے دیں ——

مغلانی بی نے اور دو چار باتیں سنائیں تو یہ دھیرے سے بول گئیں۔

"انہوں نے مناہی کر دی ہے" ؟

حفلانی بی پیچھے ہٹ گئیں اور اماں بی آگے بڑھ آئیں۔

قدیر میاں کا کیا جاتا تھا؟ بی بی کی کاٹھی تنی بنی دیکھنا چاہتے تھے بچہ چھاتیاں چوستا ہے بدن ڈھلک جاتا ہے۔ کنوارپنے تک کسی سے جی نہ لگایا ۔۔۔ شادی ہوئی بس بی بی کو ہاتھ لگایا ۔۔۔ شیر کے منہ کو خون لگ گیا۔ بچے تو تھے نہیں۔ اپنا عیش سبھی کو بھاتا ہے ۔۔۔ نئے نئے دولہے تھے۔ ان کو اس بات کی برداشت نہ ہوئی کہ کسا بندھا گوشت پلپلا جائے۔ مگر اماں بی یہ کیسے برداشت کر پاتیں کہ ماں کے ہوتے ہوئے بھی بچی غیروں کے دودھ خون پر پلے ۔۔۔ ہر دیوانی ماں کے ہوتے ہوتے بچی کو ہڑی دودھ خون کو خون کا جوڑ نہ ملے ۔۔۔ غیروں کے دودھ کا کیا ہے؟ پلانے والی کا سا سارا اثر آجاتا ہے۔

منّو میاں کی بی بی کو پہلا بیٹا ہوا۔ خاندان شریف، ماں باپ شریف سات پیڑھی تک کوئی کھوٹ خرابی نہ تھی۔ بیٹے کے پیدا ہوتے ہی خون چھوٹ گیا۔ لینے کے دینے پڑ گئے ۔۔۔ ہونی ٹلتی نہیں، قسمت کی بات ہو کر رہتی ہے۔ حکیم بھی آئے۔ بگھی پہ چڑھ کر شہر سے ڈاکٹر بھی آئے مگر گھڑی پوری ہو چکی تھی تو ڈاکٹر حکیم بھی کیا کرتے؟ شام ہوتے ہوتے جوان جہان بی بی ایسے ختم ہو گئیں کہ پتہ بھی نہ چلا۔

اب ننھا منا سا بیٹا تھا کہ جس نے ماں کی چھاتی کو منہ بھی نہ لگایا تھا شہد، تیل چٹانے کو چٹا دیا مگر پیٹ کاہے کو بھرتا؟ گھر میں دو ایک عورتیں

تھیں بھی دودھ والی مگر کسی کے میاں نے اجازت نہ دی اور کسی نے آپ ہی بہانہ کر دیا ـــ اور اپنا بچہ آنگ سے لگا ہو تو کون دوسرے جی کی پرواہ کرتا ہے بی ـــ؟

ایک کھانا پکانے والی ماما تھی ـــ اسکے حسب نسب کی کسے پرواہ تھی بھینس کی بھینس تھی۔ اس کا اپنا بچہ بھی تھا مگر وہ پیٹ بھر کر پی کر اٹھتا تو بھی اس کا کرتا سامنے سے لت پت بھیگ جاتا ـــ منّو میاں کی اماں اسی کو پکڑ لاتیں ـــ اس نے کرتا اٹھایا اور جتنی منہ میں دے دی ـــ بچے کی اوقات ہی کیا ـــ چار پانچ گھونٹ میں پیٹ بھر گیا اور مگن ہو کر سو گیا۔

اب اس کے مان بڑھے تو اسے ماما گیری سے ہٹا کر انّا گیری پر لگا دیا گیا ـــ بھینس کا سارا تب کھانے کو دیا جانے لگا ـــ میوے، پھل دودھ، ملائیاں سبھی کچھ ـــ تنخواہ الگ بندھی ـــ اور منّو میاں کے بیٹے اس کے دودھ پہ پلتے رہے۔

بچپن سے جوانی آئی۔ دادی اور باپ کی تربیت میں بڑے ہو گئے۔ مکتب اور مدرسے کی تعلیم بھی ہوئی جیسا کہ اس زمانے میں دستور تھا۔ باپ نے اس قابل کر دیا کہ چار میں بیٹھ سکیں ـــ دودھ اپنا رنگ لاتا ہے اور لا کر رہا۔ ایسے ایسے کام کئے کہ پورے خاندان کے نام کو بٹہ لگا دیا بعد میں پتہ چلا کہ جس انّا کا دودھ پیا وہ ایسی شریف بی بی تھی کہ ہر رات نئے مرد کا بستر گرم کرتی ـــ جانے کتنوں کو گرایا ہوگا۔ ایک بدذات رنڈوے سے آنکھ لڑ گئی اور اسی کے گھر آپڑی ـــ اللہ نے کوکھ ہری رکھنی تھی۔

بیٹا ہوا۔ کس کس کا میل تھا یہ تو اسی کا دل جانے مگر چاند کا ٹکڑا جیسا تھا ــــ فقیر کو کسی ایک گھر کی روٹی آنگ نہیں لگتی ــــ جب تک گھر گھر پھر پھر کر مانگ کر نہ کھلائے دل کو نہیں لگتا ــــ اس کا دل کیا جیتا تھا۔ گود میں نر سال بھر کا بیٹا تھا اور ماں زادی ادھر ادھر ہلے" لیتی پھرتی تھی۔ منو میاں کے ہاں ماما کی ضرورت تھی ــــ پتہ نہیں کون پہنچا گیا۔ یہاں بھی سب کے ساتھ وہی برابر انصاف سے سلوک کرتی۔ بھائی باپ، بیٹے پوتے کی کوئی تخصیص نہ تھی ــــ دن کو ہانڈیاں گرم کرتی، رات کو بستر گرم کرتی ــــ

اماں بڑے ہوتے ہوتے بات مردانے میں بھی جا پہنچی۔ باپ نے دبے سے تو لال پیلے نہیں کئے۔ مگر دوسروں کے ذریعہ کہلوایا بھی ــــ مگر قدیر میاں کے دماغ میں تو بھس بھرا ہوا تھا ــــ نہ مانے ــــ ماں کے ہوتے بھی بچی غیروں کے دودھ پہ پلتی رہی۔

دلہن پاشہ کو دسویں دن کا پانی لینا تھا ــــ انوری بیگم نے تو باقاعدہ "چھلے" کی سی دھوم کر دی ــــ ساس کو پتہ چلا تو خوب خوب بگڑیں ــــ

"ودی بی میں بھلا اپنی بہو کا اتنا بھی کار نہ کرتی جو تم نے ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے"

محمد حسن ہنس کر بولیں ــــ "بیبی کس کی اماں بہو کس کی؟ جو کچھ ہے

آپ ہی کی ہے۔ آپ جی کیوں میلا کرتی ہیں۔ "چھلّہ" تو آپ ہی کے ہاتھ رہا تو یہ میکے والوں کا حق ہوتا ہے "!

اس دن جو جو بیبیاں آئی تھیں اماں بی نے ان سب کو کہلا دیا کہ — "دیکھو بی "چھلّے" کی دعوت میں ابھی سے دیئے دیتی ہوں — ضرور آنا دن چڑھے کے ہی آ جانا — گانا بجانا بھی ہوگا"۔

اماں بی نے "چھلّے" کی تیاری ایسے اعلیٰ پیمانے پر شروع کی کہ لوگوں کو قدیر میاں کی شادی یاد آنے لگی — ولیمے کے کھانے کے علاوہ بھی تین بار، گاؤں والوں کو عام کھانا دیا گیا تھا۔ اب کی بار بھی اماں بی چاہتی تھیں کہ پورے گاؤں کو میٹھا کھلایا جائے — یہ اماں بی کی چال تھی۔ بھلا وہ صرف میٹھے پہ بات اڑا سکتی تھیں؛ میٹھے کے نام سے وہ پورا کھانا دینے والی تھیں — بڑے سرکار ان کے بیچ میں کیا بولتے۔ جو انہوں نے کہا۔ انہوں نے مان لیا مگر اب کی بار وہ چپ رہ گئے۔

"اب میں کہتی ہوں چپ کاہے سے لگ گئی؟ پہلا کار ہے میرے بیٹے کا میں اتنی بھی دھوم نہ کروں "؟ اماں بی کرتیں تو وہی کچھ جو دل میں ہوتا۔ مگر بڑے سرکار کے کانوں پہ بات ضرور ڈال دیا کرتیں۔ اگر ان کی مرضی نہ ہوتی تو ادھر کا پتہ بھی ادھر نہ کرتیں۔

بڑے سرکار نے ان کی طرف دیکھا اور بولے — "بہت خرچ پڑ جائے گا"۔

"دوئی اللہ میں کیا کروں؟ —" اماں بی کچھ ہنسی اور کچھ بناوٹ

کے انداز سے بولیں ـــ "میں کہوں یہ خرچ کا خیال کب سے ہو گیا؟"

"میں کہنا تو نہیں چاہتا تھا مگر ایسی باتیں عورتوں سے کہہ کر [illegible] بھی کیا ہے ـــ سوائے اس کے کہ انہیں بھی خواہ مخواہ پریشانی [illegible]"

اماں بی آگے بڑھ کر ذرا حیرت سے بولیں ـــ "کیوں بات کیا ہے؟"

بڑے سرکار نے بات ٹالنی چاہی ـــ "یوں ہی کہتا ہوں [illegible] تو جو کچھ کیا، کیا۔ مگر اب تقدیر میاں کی اولاد کا بھی تو دیکھنا ہے [illegible]"

"اللہ ان کے دم قدم کی برکت سے ان کی زندگیاں [illegible] بہت کچھ دے دے گا ہماری فکر سے کیا ہوتا ہے ـــ ہم نے تو [illegible] دیکھا کہ اپنی فکر سے کچھ نہیں ہوتا ـــ اللہ نے چاہا [illegible] کیسے کیسے گھرانے [illegible] سے [illegible] ہو گیا ـــ بھلا خدا نہ چاہتا تو کچھ ہو سکتا تھا؟"

"مگر خدا نے بھی تو نہیں کہا ناکہ فضول خرچی کرو [illegible] پانی کی طرح پیسہ بہا کر فائدہ بھی کیا ہے ـــ ؟ محض چار [illegible] کے منہ سے اپنی تعریف ہی تو سن لینا ـــ ؟"

"اللہ کے فضل سے پورے گاؤں میں سب [illegible] ہے۔ اور پھر دکانیں بھی چل رہی ہیں ـــ دونوں [illegible] تنائیں۔ تب بھی ختم نہ ہو گا۔ اتنا دیا ہے اللہ نے ـــ !"

"اور بارہ برس بعد کیا کرو گی ـــ ؟" بڑے سرکار نے عجیب [illegible] سا سوال کیا ـــ

"بارہ برس ـــ ؟" اماں بی نے کچھ تعجب سے انہیں [illegible]۔

"اگر میں نے بارہ برس کہدیا تو کیا اس کا مطلب ہے کہ سچ مچ ہی بارہ برس میں یہ دھن ختم ہو جائے گا —؟ ارے واہ آپ بھی آج خوب ذکر لے بیٹھے — ہاں میں کہے دیتی ہوں "چھیلا" تو دھڑ کے سے ہی ہو گا"

"چھیلے" کو تو خیر میں منع نہ کروں گا مگر آگے ذرا ہاتھ روکنا پڑے گا"

"ایسے بند لفظوں میں نہ کہیئے — صاف سیدھی بات سناتے کیوں نہیں؟"

"کچھ ہو تو سناؤں"

"پھر کبھی تو زبان نہیں ہلائی — آج کیوں خیال آگیا"

"اپنی موت کا اور تمہاری زندگی کا خیال آگیا تھا کہ میں نہ رہوں گا تو پھر کیا ہو گا"؟

"توبہ — ایسی بات نہ کہیئے — جی جل جاتا ہے میرا"

"پھر اصرار کیوں کرتی ہو"؟

"میں نے کچھ کہا بھی —"؟

"اور کہہ بھی کیا سکتی تھیں —؟ مگر جو کچھ کہا میں نے تمہارے اور اپنے بھلے کے لیئے کہا"

"ہاں بی اٹھیں اور آگے بڑھ کر بولیں — اب سمجھی! ضرور کوئی ایسی بات ہے جو مجھ سے چھپا رہے ہیں آپ — سچ بتا دیجیئے — میں آپ کے سکھ کی ساتھی ہوں تو دکھ کی بھی ہوں — آپ کا چہرہ پریشانی ظاہر کر رہا ہے —"

بڑے سرکار کچھ دیر تو چپ رہے پھر بولے —

"کہنی تو نہیں چاہتا تھا ـــــ مگر تمہاری ہٹ ہے تو کہنا ہی پڑے گا۔"
وہ پھر رک گئے۔

"بات کیا ہے ـــ" اماں بی کا جی ہول گیا۔

"بات کچھ بھی نہیں وہ اپنی کپڑوں کی دکان تھی نا شہر میں، وہ بیٹھ گئی ـــ"

"بیٹھ گئی ـــ" اور اماں بی جو کھڑی ہوئی تھیں خود بھی بیٹھ گئیں "آپ نے پہلے تو کبھی ذکر نہ کیا ـــ؟"

"ذکر کر کے لینا بھی کیا تھا ـــ مگر تم جی چھوٹا کیوں کرتی ہو۔ ایک دکان ہی تو بیٹھی ہے نا ـــ اللہ مالک ہے کہ اس نے بہت کچھ دے رکھا ہے۔"

بڑے سرکار کی محنت لگن اور کام کی دھن ایسی تھی کہ آج انہیں چار میں سرخروئی حاصل تھی۔ باپ کی زمین جائداد جو کچھ تھی انہوں نے حصے بخرے کے بعد اپنے ہاتھ میں اٹھائی اور ایک ایک کو ستو ستو کر کے دکھائے۔

زمین کا تو پھر بھی یہ حال ہوتا ہے کہ سارے کا سارا دارومدار خدا پہ ہوتا ہے ـــ یوں خدا کے بغیر کون کام چلتا ہے مگر زمین کا تو بس یہ ہے کہ بادل گرجے تو پانی برسے اور پانی برسے تو مینہ برسے ـــ ازمین سوکھی ہے۔ بیج بھی سوکھ گئے ـــ پانی ہی نہ پڑے گا تو بیج کیا پھوٹے گا اور فصل کیا پکے گی ـــ بڑے سرکار بڑے تدبر اور دور اندیشی سے کام لیا

چلا رہے تھے، گاؤں کی زمین سے جو کچھ بھی آمدنی ہوتی گئی اسے بس انداز کرتے گئے ۔ پہلے پہل تو ایسا ہی کیا ــــ زمین پر ہی بھروسہ کیے جانا تو نادانی ہے ــــ عقلمندی یہ کی کہ جیب بھاری ہوتی گئی تو پھر کاروبار پھیلانے گئے ــــ چھوٹے پیمانے پر ہی شروع کیا۔ مگر خدا پر بھروسہ رکھ کے، اور تن دہی سے محنت کر کے ــــ

کبھی برتن کی دوکان کھلوادی۔ کبھی میلتو سامان کی۔ کبھی کرانے کی۔ شہر بھر میں سب سے بڑی کپڑوں کی دوکان انہی کی تھی ــــ کرایے کے آدمی لگا دیئے تھے ــــ اور ان کی نگرانی پر بھروسے کیے، گاؤں کے ہی پہچان کے آدمی تھے جو حساب کرتے ۔ سال بھر کی جانچ پڑتال کے بعد منافع یہاں بھیج دیتے ــــ اور جو بڑی دکان تھی اس کا تو حساب کتاب مہینے کے مہینے ہوتا ــــ

ادھر جائداد زمین کی آمدنی بھی کم نہ تھی ۔ آس پاس کے دو تین گاؤں کی تھوڑی بہت زمینیں چھوڑ کر پورے گاؤں انہیں کے تھے ۔ کہنے والے تو کہتے ہیں کہ ’’ بیٹھ کر کھانے سے تو ندی کا پانی بھی پورا نہیں پڑتا ‘‘

مگر اللہ کے فضل سے اب ان کے پاس اتنی جمع جتھا اور اتنی جائداد ضرور ہو گئی تھی کہ اگر خالی خولی بیٹھ کر کھاتے اور چار کو کھلاتے تب بھی سالوں پیسہ ختم نہ ہوتا ــــ

دوکان سب سے بڑی ضرور تھی اور اس کا پیسہ اتنا آتا تھا کہ سال بھر زمین کا جوتنا اور بیرنا پرانا سب کچھ ہو جاتا تھا۔ پھر بھی یہ تھا کہ

سو کا ایک پنکھ ٹوٹا بھی تو کدھر ــــ ؟

اماں بی سنبھل کر بولیں ــــ

"اللہ نے دیا تو ہے مگر یوں پھینکنے کو تو نہیں دیا ہو گا۔" بڑے سرکار نے پھر بھی زبان نہ ہلائی تو اماں بی برس پڑیں ــــ

"کہنے والوں کا منہ رکتا ہے۔ کسی کا کچھ نہیں جاتا۔ میں تو ہزار بار کہتی رہی کہ ان حرامی منشیوں اور منیموں کا کوئی بھروسہ نہیں مگر آپ ایسے اللہ والے کہ سبھی کو اپنے جیسا سمجھ لیا ــــ میں کہوں کہ اتنی بڑی دکان کہ جس کے سامنے کسی کی ساکھ نہ جمے۔ ہر ماہ نیا مال اترتا ــــ وقت پر کام والوں کی تنخواہ جاتی، حساب صاف ہوتا۔ پھر یہ ٹھپی تو کیسے ــ ؟ نہ دیکھ بھال جس کے بھروسے چھوڑا بس چھوڑ ہی دیا۔ غیر بھی پرائی چیز کو اپنا جان کر خیال کرنے لگیں تو پھر اپنے پرائے کا درد ہی دنیا سے جاتا رہے۔ میں پوچھتی ہوں سال کے سال جو آپ شہر کا پھیرا لگاتے ہیں تو کیا کرتے ہیں۔ مہینے کے مہینے جو حساب آتا ہے کبھی آپ نے ورق بھی الٹ کر دیکھا کہ کیا آتا ہے کیا جاتا ہے ــــ ؟ اجی یہ تو ایک دوکان کا حشر ہوا آپ دیکھیں گے آگے آگے ساری کی ساری جائداد مٹی ہو جائے گی۔ اگر آپ کے بھروسے کے یہی رنگ رہے ــــ حد ہوتی ہے کسی چیز کی ــــ اتنا بھروسہ بھی کس کام کا؟ آپ کے سامنے ہی آپ کے بھائی ہیں نا؟ دیکھئے کیسے پائی پائی پہ مہر لگاتے ہیں۔"

بڑے سرکار کو ملا کر غنی میاں کو تین بیٹے ہوئے تھے۔ دو بیٹیاں تھیں اچھے گھر پڑیں اور شوہروں کے ہاں خوش تھیں۔ باپ نے زندگی میں ہی ہاتھ

بیلے کر دیئے تھے ——— ماں تو مدت ہوئی مر چکی تھیں ——— باپ کے مرتے ہی نا چاقی ہوگئی، اور بٹوارے پڑ گئے ——— پیسے کی صورت ایسی ہوتی ہے کہ بھائی بھائی کو سلام نہیں کرتا ——— تین چولھے پڑ گئے ——— کام کاج الگ ہوگیا اور پھر یہ ہوا کہ گھر بھی الگ ہو گئے ———

ایک ماں کے پیٹ کے لوٹے ہوئے تھے مگر قسمت ایک جیسی نہ تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بڑے بیٹے قادر میاں ایسے پھلے پھولے کہ دور دور تک ان کی کھیتی باڑی، بیل بوڑیاں مشہور ہوگئیں ——— گھر کی بیلوں کی جوڑی گھوڑے سے بدلی ——— دو گھوڑوں کے چار گھوڑے ہوئے اور پیسہ ایسا چھپر پھاڑ کر برسا کہ ہاتھی جھولنے لگا ——— اور وہی قادر میاں کہ صبح ہی سویرے دو کرایے کے آدمی لے کر اپنی کھیتی کی بوائی کو جاتے تھے اب چار گھوڑوں کی بگھی پر سواری کرتے تھے ۔

اللہ میاں نے پانچ انگلیاں ایک سی نہیں بنائیں تو قسمتیں کیوں ایک جیسی بناتا ——— بے چارے دونوں چھوٹے بھائی مصطفےٰ میاں اور خالق میاں جیسے کے ویسے ہی رہے۔ بس اتنا ہوتا کہ سال بھر کے خرچ کے لئے گھر کی کھیتی سے اناج دانہ مل جاتا ——— بیلوں کی ایک ایک دو دو جوڑیاں ——— کام چلاؤ ناگر بکھر ——— معاملہ ختم ——— ہاں بس یہ تھا کہ اپنی اپنی دال روٹی سے راضی خوش تھے ———

قادر میاں تو دشمنوں کو کھلا کر کھاتے تو یہ تو ان کے اپنے ماں جائے تھے ——— دیکھا کہاں جاتا۔ ؟ اماں بی کو تو وہ وقت یاد تھا کہ سسرے

کو مرے دس دن بھی نہیں ہوئے ہیں ـــ چالیسواں ہونے تو ابھی دن پڑے ہیں کہ اُدھر دیورانیاں کھسر پھسر کرنے لگیں ـــ کھانا پکتا ہے تو تین حصّوں میں بٹ جاتا ہے ـــ جدھر کا حقّہ اُدھر۔ قادر میاں تو سدا سے ہی دل کے بڑے تھے ـــ اور بڑے دل یہ نہیں دیکھتے کہ ہاتھ کھلا ہونے کے لئے پیسہ چاہئیے یا نہیں ؟ دل میں وسعت ہے بس ہے ـــ کوئی پاس پڑوس والا آیا انہوں نے ساتھ بٹھالیا ـــ کوئی دو گھڑی بات کرنے کو آیا اور انہوں نے ہاتھ پکڑ کر بھر کٹورا دودھ کا پلا دیا۔ ماں باپ کے رہے تک یہ باتیں چل گئیں اب تین بھائیوں کی کھینچ تھی، جس کا دل بڑا تھا وہ رئیس زادہ ہوتا تو ایک بات بھی تھی، یہاں تو مروت میں سبھی کے پیٹ پر لات پڑتی تھی ـــ اور ایسا دل والا تو دونوں میں سے کوئی نہ تھا کہ سہار جاتا ـــ

باپ کے چالیسویں کی فاتحہ ہوئی نہیں کہ دیورانیاں ہاتھ لمبے کرکے جٹھانی کو لتاڑنے لگیں ـــ

"اوئی ـــ جنم مرن کی ساتھی بنی ہو تو اتنا بھی نہیں ہوتا کہ میاں کے ہاتھ پہ روک لگا دیں ـــ جیب میں پھوٹی دمڑی نہیں اور ہاتھ ایسا اونچا کہ بس حاتم طائی انہی کا باپ تھا۔۔"

اماں بی کو منہ اونچا کرکے لڑنا جھگڑنا کبھی نہ آیا ـــ ماں باپ کی تعلیم ایسی تھی کہ میاں سے لگائی بجھائی بھی نہ کرتیں، حق ناحق تو اوپر والا خود دیکھ لیتا ہے ـــ قادر میاں بڑے تھے ـــ دل کے بھی بڑے

اور بھائیوں میں بھی سب سے بڑے ــــ ہر بار طرح دے جاتے۔
ماں باپ کے بعد وہی تو تھے جو ان چھوٹوں کے سر پر موجود تھے۔ چھوٹے کسی حال اپنا جانتے تب تو ــــ مگر ان کی سرشت میں نہ تھا کہ منہ موڑ لیتے ــــ شادی کے دن گذر گئے تھے ــــ روپے پیسے کی کوئی خاص ایسی کمی نہ تھی ــــ بلکہ سچ پوچھو تو تنگی ہی تھی ــــ مگر جب کبھی دستر خوان پر بیٹھتے دو چار لوگ بڑھ گئے تو جیسے چپ ہی رہتے ــــ ماں باپ کی زندگی میں فکر نہ تھی۔ اب تو سب کی آنکھوں میں کھٹکنے لگا۔۔

دبی دبی شکایت سے ناک میں دم آگیا اور آخر کار بٹوارہ پڑ گیا۔ جس وقت بھائی بھائی جدا ہوتے ہیں تو قادر میاں کی یہ حالت تھی کہ رو رہے تھے رو رو کے آنکھیں سوج گئی تھیں ۔ عورتوں کی طرح بچ بچ کر کے ہچکیاں لیتے جاتے ہیں مگر منہ سے ایک لفظ نہیں کہتے ــــ ضبط کرنا مشکل ہو گیا تو اکیلے میں چھپا کر رو دیئے ــــ آسمان کی طرف منہ اٹھا کر بس اتنا بولے

اے مالک پروردگار! جس حقیر سے پیسے کے کارن آج تن خون میرا ٹوٹا پڑ رہا ہے، بھائی بھائی ٹوٹ رہے ہیں، اس کی مجھے کبھی چاہت نہ ہوئی ــــ مگر پھر بھی میں تجھ سے مانگتا ہوں ــــ مانگتا ہوں کہ اتنا ہی کھول دے اتنا برسا کہ بچھڑے دل پھر مل جائیں ۔

نہ جانے کس دعا پر آمین پڑھی اور جو کھول کے اللہ نے دھن برسانا شروع کیا ــــ ایسا برسا ایسا برسا کہ سارے میل دھل گئے۔ وہی بھائی اب شرماتے جھینپتے خیریت پوچھنے کو آتے اور لد لد کر جاتے ۔

قادر میاں کا دل بھی کیا دل تھا کوئی کھوٹ ان کی دل میں لگی نہ رہتی تھی!

برسات کے پانی سے پتھروں ڈابیوں پر لگی دھول خاک کیسے بہہ جاتی ہے۔ ان کے بھائیوں کے آنسوؤں نے بھی ان کے دل پر جمی ہوئی غم اور میل کی تہہ کو بہا دیا ۔۔۔

خدا نے فرش سے اٹھا کے عرش پر بٹھا دیا اور اب گاؤں بھر میں غنی میاں کے بیٹوں کی ہستی باجتی تھی اور سب سے بڑھ کر قادر میاں کی ۔۔۔ جدھر دیکھو، جس کے منہ سے سُن لیں قادر میاں کی تعریف انہی کا ذکر، ۔۔۔ قادر میاں جو غنی میاں کے بیٹے تھے اور جن کے پاس کیا تھا ۔۔ ؟ لے دے کے دو چار بیگھے زمین ۔۔ بیلوں کی مریل سی جوڑی دو ایک چھوٹے جانور اور قرضے پر لی ہوئی ایک بھینس ۔۔؟

مصطفےٰ میاں اور خالق میاں کا یہ حال تھا کہ دانتوں سے پیسہ پکڑتے ۔۔۔ ایک پائی ادھر کی ادھر نہ ہوتی اور ادھر بڑے سرکار تھے کہ ہزاروں ادھر کے ادھر ہو جاتے اور پیشانی پر شکن نہ پڑتی۔

راگ راگ زندگی!

چھلّہ جس دھوم دھام سے ہونا تھا ویسے ہی ہوا۔ رتّی برابر بھی فرق نہ پڑا ــــ مگر امّاں بی کے دل کو جیسے پھانس سی لگ گئی تھی۔ گوری ماں کی شادی ابھی ہونی تھی ــــ اور امّاں بی کے ہاتھ کی شادیاں تو مشہور تھیں ــــ شادی کرنا تھا مطلب گھر لٹا دینا۔

پرتی کا نام امّاں بی نے دلہن پاشا کے نام کے وزن پر صفیہ رکھا۔ صفیہ اب گھٹنوں سے رینگتی پھرتی تھی ــــ منہ کھول کے ہا ہا کرکے ہنستی ــــ انّا کے دودھ پر پل کر مست ہو رہی تھی ــــ ابھی کھڑا ہونا بھی نہ سیکھا تھا کہ دلہن پاشا پھر دو جی سے تھیں۔

انیس میاں کی اماں کو فالج مار گیا ــــ اور وہ اپنی دم توڑتی

زندگی کا واسطہ دے دے کر شادی طے کر دینے کو کہنے لگیں۔
گوری ماں کی عمر بھی ابھی کیا تھی؟ گڑیا کھیلنا بھی تو ابھی ابھی چھوٹا تھا۔۔۔ چھاتیوں میں اب کہیں بھرا بھرا پن آرہا تھا۔۔۔ بھائی کی شادی سے دو ماہ قبل امّاں بی نے اس کی چوٹی چڑھائی تھی۔۔۔

بڑے سرکار کی اولاد میں سب سے چھوٹی، سب سے خوبصورت اور گھر بھر کی لاڈلی۔۔۔ باپ تو جان نثار کرتے۔

شادی کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ نہ جہیز کا جھگڑا نہ جوڑے کا رگڑا۔۔۔ امّاں بی نے تو اپنی دونوں بیٹیوں کے جہیز دنوں پہلے تیار کر رکھے تھے۔۔۔ قادر میاں کے دم قدم کی برکت سے جب گھر بھرنے لگا۔ تو اماں بی نے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ بیٹیوں کا جہیز جوڑا۔۔۔ رقیہ کی شادی تو سولھویں برس کر دی۔۔۔ اپنے گھر خوش تھی۔ میاں بی بی میں ایسی محبت تھی کہ پل بھر بھی میاں نہ چھوڑتے بھائی کی شادی جیسی شادی ہوئی کہ دور دور کے رشتہ داروں کو بھی اماں بی نے ہفتوں پہلے بلا لیا مگر خود بہن شادی سے چار دن پہلے آئیں۔۔۔ رت جگے میں بھی شامل نہ رہی۔۔۔ بھلے کو اکیلی ہی آجاتی مگر میاں اپنے کاروبار کی دیکھ ریکھ میں پھنسے ہوئے تھے اور انہیں یہ کب گوارہ تھا کہ ان کا پلّو بھی آنکھ سے اوجھل ہو جاتا۔۔۔؟

اب گوری ماں کی شادی کرنے میں کیا رکاوٹ تھی؟ مگر اماں باوا دونوں ہی کا دل کہتا تھا کہ ابھی تو اس کے کھانے کھیلنے کے دن ہیں۔

گیت گانے کے دن ہیں ـــــ لڑکیوں کی زندگی کا یہی دور تو ہوتا ہے کہ وہ جی بھر کے خوشیاں سمیٹتی ہیں ـــــ راگوں رنگوں سے بھری یہ زندگی پھر کہاں ؟ کہ زندگی کی ذمہ داریاں اور الجھنیں سر پڑ گئیں تو کیا زندگی کا مزہ آئے گا ـــــ ؟

انیس میاں چار بیٹوں سے بڑے تھے اور گویا گوری ماں کو بڑی بھاوج بن کر سسرال جانا تھا ـــــ بڑی بہو بن کر جانا تو اپنے ارمانوں کا خون کرنا ہوتا ہے ـــــ ماں باپ کسی کی عمر کو نہیں لکھتے ـــــ ساس سسر کی آنکھ بند ہونے پر تمام تر بار بڑے بیٹے اور بڑی بہو پر ہی آن پڑتا ہے ـــــ طعنے مینے، لڑائی جھگڑے ـــــ روٹھا پھولی سب کچھ سہن کرنا اور منہ سے اف بھی نہ کرنا ـــــ اگر برداشت سے باہر ہوئے تو سسرال والے بالشت بھر کی تھیلی کو گز بھر کی بنا کر اچھالتے ہی ہیں محلے ٹولے پاس پڑوس والے بھی کچھ کم نہیں کرتے ؟

اماں بی اور بڑے سرکار کا ٹھیک ہی تو کہنا تھا ـــــ اپنی جگہ تو یہ ٹھیک تھے اور ادھر گوری ماں کی ساس کو فالج مار گیا تھا ـــــ موت زندگی تو اللہ کے ہاتھ ہے ـــــ موت آگئی تو اچھے بھلے جان جوان چٹ پٹ ہو جاتے ہیں اور نہیں تو بوڑھے کھوسٹ بیٹھے موج مناتے ہیں۔

یہ کون جانتا تھا کہ قسمت میں قضا کب لکھی ہے ؟ گھر بھر میں جدھر دیکھو ادھر بس بیٹیوں ہی بیٹیوں کے منہ دکھائی پڑتے۔ اندھے کی ایک ہی تو لاٹھی تھی۔ اک اس کا سہرا بھی نہ دیکھا تو ان سے بڑھ کر

بدنصیب اور کون ہوتا بھلا ۔۔۔ ؟ سُسرے بھی رَدّل مچانے لگے، بیوی
کی حالت تو دیکھ ہی رہے تھے اور پھر بیٹے تھے کہ سانڈ بنے گھومتے تھے
یا میوے بادام اور چرونجیاں کھلا کھلا کر مرغ تیتر اور بٹیر لڑایا کرتے۔
باپ یوں بھی زیادہ زور دے رہے تھے کہ شادی کی بیڑی پاؤں میں
پڑے گی تو گھر میں دل لگے گا اور یوں باپ کے کام کاج میں ہاتھ بنائیں گے۔

امّاں بی تو سن کر خاموش رہ گئیں ۔۔۔ بیٹی کے پیدا ہوتے ہی
ماں کو احساس ہو جاتا ہے کہ کسی نہ کسی دن اُسے جدا ہونا ہے ۔۔۔ یہی خیال
لئے لئے وہ اس کی پرورش کرتی ہے اور ہر دم مہمان سمجھتی ہے ۔۔۔ مہمان
کسی کا گھر باندھ جینے تو نہیں آتا ؟ اس سے دل لگا کر فائدہ ۔۔۔ ؟
مگر بڑے سرکار کا دل ٹیڑھا ہو گیا ۔۔۔ گڑیا ہی اُن کے دل کا چین
تھی ۔۔۔ دل کی ٹھنڈک تھی ۔۔۔ دن بھر میں جب تک دو ایک بار
اسے پاس بلا کر اس کے سر پیٹھ پر سے پیار سے ہاتھ نہ پھیر لیتے انہیں چین
نہ پڑتا ۔۔۔ اور ابھی اس کی عمر ہی کیا تھی ۔۔۔ ؟ پچھلے ساون نو بیٹھا ۔۔۔
باپ کے بازو آکر بیٹھتی تو وہ اپنی گود میں بٹھا لیتے ۔۔۔ اس کی جدائی کی
سہار کیسے ہو گی بھلا ۔۔۔ ؟ بوڑھا دل یہ سب کچھ کیسے برداشت کر
پائے گا ۔۔۔ ؟ جدائی کے غم سے پھٹ نہ پڑے گا ۔۔۔ ؟

بیٹی اور زمین میں پڑے بیج سے کبھی آس نہ رکھنی چاہیئے ۔ بیٹی،
کون جانے کب پیا کے دیس چلی جائے، بیج کا کیا ہے، دل کی آس پاس
سے بدل جائے ۔ پانی نہ پڑے تو وہیں جل جل جائے ۔۔۔ ایسی چیز دل

سے دل لگا کر پڑھا بھی کیا ہے ـــــ" ؟

مزے مزے دنوں سے ماں باپ نے بیٹی کی شادی کی تیاری کرنی شروع کر دی ـــــ

شادی میں ابھی دن باقی تھے ـــــ تاریخ طے نہیں ہوئی تھی مگر جمادالثانی کا مہینہ سوچ لیا گیا تھا۔

دو ایک ماہ قبل اماں بی مغلانی بی سے نئے جوڑوں پر مسالہ چمکیاں ٹنکواتی بیٹھی تھیں کہ چوڑی والی آگئی ـــــ

گاؤں کی زندگی میں چوڑی والی کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ گھر گھر جانا ہوتا ہے، ہر گھر کی بری بھلی اسے معلوم رہتی ہے ـــــ چوڑیوں کی پٹاری کھول کر بیٹھ گئی اور مغلانی بی سے بولی۔

" اے بی کس کے جوڑے پا گھوں پر ٹکائی ہو رہی ہے "

مغلانی بی نے بیزارگی سے اسے دیکھا اور ناک چڑھا کر بولیں۔

" ووئی کیا نبتی بنتی ہے جیسے پتہ ہی نہ ہوگا کہ چھوٹی بی بی کا گھر بسنے والا ہے "

چوڑیوں کے گالے زمین پر ڈالتی ہوئی بولی۔

" معلوم کیسے نہیں ہے۔ پر میں سمجھی ـــــ وہ چپ رہ گئی۔

اماں بی نے چونک کر سر اٹھایا اور بولیں۔

" پر تو کیا سمجھی ـــــ" ؟

وہ یوں ہی چوڑیاں الٹ پلٹ کرتی ہوئی بولی۔

"میں یہ سمجھی شاید بات ٹوٹ گئی ہو گی ۔"

"اے ــــ بی بی چلائیں ــــ "زبان سنبھال کر بات کرنا ذرا ــــ موٹی ان کمینیوں کو کبھی گھر نہ گھسنے دینا چاہیئے ــ چلی جو زبان پہ آیا بکتی ہوئی ــــ بات ٹوٹے تیرے سگون کی ــــ بی بی کا نام کیوں بیچ میں لاتی ہے "؟

"اوئی بی تم تو ہوا سے لڑتی ہو ــــ میں نے کیا بری بات کہی بھلا ــــ سنا ہے اللہ میاں پہ باپ نے روک لگا دی ہے ادھر ادھر کی ٹوہ لینے لگے ہیں ــــ دن بھر گلی کے لونڈے ہیں اور مرغ تیتر، بٹیر، ہم غریب آدمی کیا کسی کا بگاڑیں گے ۔ ہم سمجھے کہ بڑے سرکار بھلا دیکھتے بھالتے اپنی بیٹی کیوں ایسی جگہ دیں گے جن کی ساری محلے ٹولے میں بدنامی ہو رہی ہے ۔"

مغلانی بی نے ہاتھ روک کر پوچھا ــــ "ٹوہ سے تیرا کیا مطلب ہے ۔"

"گھر گھر جھانک کر اصیل مرغ خرید نے پھرتے ہیں اور اصل میں مرغوں کا تو نام ہے بی ۔۔۔۔ وہ چپ رہ گئی ــــ آئینہ تو اپنا ہی عکس لوٹاتا ہے اس میں الجھنے کی کون بات ــــ ؟

گاؤں یا شہر ــــ شریفوں کے بیٹوں کا چلن ہوتا ہے کہ بچپن میں تو تعلیم حاصل کی ــــ بڑے ہوئے تو مدرسے یا انگریزی اسکول میں داخل ہو گئے ــــ ذرا داڑھی مونچھی نکلی کہ ماں باپ نے جگہ دیکھ سمجھ کے شادی رچا دی ۔ اپنے دھندوں میں پھنسے، دو چار بال بچے ہو گئے

تو آپ ہی پابند ہو گئے ــــ ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جائے تو انسان کبھی نہیں بھٹک سکتا ــــ پھر یہی ہوتا ہے کہ باپ کے کاروبار میں ہاتھ بٹاتے ہیں ــ

اماں بی نے مغلانی بی کو دیکھا اور مغلانی بی نے اماں کو ــ بات ایک کے بھی منہ سے نہ نکلی ــ

اماں بی کے دل کو جیسے پنکھے لگ گئے۔ گھر یوں لاکھ بھرا ہوا ہو مگر کوئی تو دل والا ملے کہ جس سے دل کی بات کہہ کر بوجھ ہلکا کیا جائے ۔ خورشید بیگم ایسی تھیں کہ فکر اور پریشانی کی بات کو بھی رنگ دے دیتیں ۔ مگر وہ اپنے گھر کی تھیں بھلا کاہے کو بار بار آتیں ــــ وہ تو شادی کے وقت ہی اماں بی نے چار چھ دن روک لیا تو لطیف میاں نے گھر سارا سر پہ اٹھا لیا ۔

"کب آ رہی ہو۔ کب آؤ گی ــ ؟

بار بار آدمی بھجواتے کہ کب تک نکلنا ہو گا ــــ ؟ وہ ہوتیں تو کوئی بری بھلی سمجھاتیں ــ اب تو کوئی دکھائی نہ دیتا تھا ۔ کس سے دل کی بات کہیں ــ ؟ ہاں لڑکیوں اور نوکروں کا بازار ضرور تھا ــ آخر سبھی کو اپنے گھر بار کی فکر تھی ــ اماں بی، کوئی ملنے کو آتا تو چار دن کی جگہ چار ہفتے روک لیتیں مگر کوئی کب تک رہ سکتا ہے ــــ ؟ یوں تو آنے جانے والوں سے حویلی بھری رہتی مگر دل کا زخم کیسے دکھایا جائے کہ وہ چھپایا بھی رکھ سکے ــ